بچھڑا سانول، شام سلونا
از
سعدیہ عابد

میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

عائشہ شاہ ندی کنارے بیٹھی، پاؤں جھلاتے ہوئے اپنی سریلی آواز میں اپنا موسٹ فیورٹ گیت گنگنا رہی تھی اور وہ اپنے آپ میں مگن آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔

"بی بی سائیں! اب حویلی چلتے ہیں، بہت دیر ہو گئی ہے، بڑے سائیں ناراض ہوں گے۔" شام کے سائے ڈھلنے لگے تھے اور اس کی خاص ملازمہ جو اس کی ہم عمر تھی اسے جانے کی فکر لگ گئی تھی کیونکہ دیر ہو جانے پر ڈانٹ تو اسے ہی پڑنا تھی۔

"کتنی دفعہ کہا ہے سکینہ کہ ہمیں گاتے ہوئے ٹوکا مت کر۔" وہ آنکھیں کھولتے ہوئے اس پر بگڑی تھی۔

"معاف کرنا بی بی سائیں! پر رات ہو رہی ہے اندھیرا بڑھ رہا ہے، ہمیں حویلی......"

"تجھے جانا ہے تو جا، ہم نہیں جا رہے۔" وہ شان بے نیازی سے بولی تھی اور وہ بے چاری منہ لٹکا کر رہ گئی تھی اسے آگے سے کچھ کہہ بھی تو نہیں سکتی تھی اور وہ آنکھیں بند کیے اپنے شغل میں مصروف ہو گئی تھی۔

میں تیرا ہاتھ ہاتھوں میں لے کے چلوں مہربانی تیری
تیری آہٹ سے دل کا دریچہ کھلے میں دیوانی تیری

"بی بی سائیں!" اس نے آواز دی تھی مگر جواب ندارد، کاندھا ہلایا تھا اور اس نے اپنی فسوں خیز آنکھیں کھولی تھیں اور اسے غصے سے دیکھتی کہ اس کی نگاہ ایک اجنبی پر پڑی تھی اور وہ گھبرا گئی تھی جبکہ سانول شاہ کی نگاہ اس پر جم کر رہ گئی تھی، سبز جھیل سی آنکھیں، ہونٹ پر جگمگاتا تل،

ایک کاندھے پر پڑا آنچل دوسرے پر جھولتی سیاہ ناگن سی چوٹی، کانوں میں بڑے بڑے آویزے، ناک میں جگمگاتی لونگ، متناسب سراپا، وہ حسن کا شاہکار تھی اور وہ حسن وخوبصورتی کا دلدادہ اور یہ کیسے ممکن تھا کہ خوبصورتی سامنے ہو اور سانول شاہ کے دل کے تار نہ بجیں، اس کی آنکھوں میں واضح ستائش تھی اور وہ اس کی گہری نظروں کی تاب کہاں لاسکتی تھی، اس نے چوٹی ہاتھ سے پکڑ کر پشت پر ڈالی تھی، پراندے کے گھنگھرو بج اٹھے تھے اور اس نے جلدی سے دوپٹہ پھیلا کر سر تک اوڑھ لیا تھا، چوڑیوں نے اپنا ساز چھیڑا تھا اور وہ اس کی گھبراہٹ واحتیاط سے خوب محفوظ ہوا تھا۔

"سک...... سکینہ...... کون ہے یہ...... اور یہ ہمیں کیوں گھورے جارہا ہے۔" وہ تقریباً اس کے کان میں گھستے ہوئے استفسار کررہی تھی۔

"ساتھ والے گاؤں کے سردار شاہنواز کا پتر ہے، بی بی سائیں!" ملازمہ نے دھیمے سے اس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا تھا کہ وہ درمیان میں خود ہی بول پڑا تھا۔

"جو پوچھنا ہے مجھ سے پوچھ لیجیے۔" اس کی خوبصورت آنکھیں پھٹنے کے قریب ہوگئی تھیں اور وہ اس کی حسین آنکھوں میں خود کو ڈوبتا محسوس کررہا تھا۔

"سکینہ، یہاں سے فوراً چلو، بابا سائیں یا ان کے کسی ملازم نے بھی دیکھ لیا تو ہم تو جان سے ہی جائیں گے۔" وہ اجنبی پر سے نگاہ ہٹالی اس کا بازو تھام کر آگے بڑھی تھی۔

"پھر کب ملیں گی؟" گمبھیر آواز پر اس کے قدم رکے تھے، وہ خوفزدہ ہونے لگی تھی اور اسی لئے وہ کچھ کہنے کو پر تولتی سکینہ کو بھی روک گئی تھی۔

"چھوڑ نہ سکینہ، کسی نے ہمیں دیکھ لیا تو۔"

وہ اس کے سامنے آگیا تھا اور وہ کہتے کہتے رک گئی تھی اور وہ اس کے پنکھڑی سے نازک ادھ کھلے ہونٹوں کو بڑی محویت سے دیکھنے لگا تھا

"آپ ہمارے راستے سے ہٹیں، آپ ہمیں جانتے نہیں ہیں۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"ہم تو آپ کا مکمل تعارف لینا چاہتے ہیں، ویسے خادم کو سردار سانول شاہ کہتے ہیں۔" وہ اسے محویت سے دیکھتا ہوا نہایت دلفریبی سے بولا تھا اور اس کی سٹی گم ہونے لگی تھی، خوف سے جان نکلنے کو تھی۔

"سکینہ، وہ ادا سائیں! وہاں سے ادا سائیں کی گاڑی گزری ہے، انہیں پتہ چلا تو وہ تو یہاں آنے پر پابندی ہی لگادیں گے۔" اس نے حلق کو تر کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور وہ تو اس کے خوف زدہ معصوم حسن سے اپنی آنکھیں کی پیاس بجھا رہا تھا۔

"سردار سانول سائیں! آپ ہماری بی بی سائیں کے راستے سے ہٹ جائیں، ہمیں حویلی پہنچنا ہے دیر ہوگئی ہے۔" وہ ادب سے بولنے لگی تھی کہ جیپ رکنے کی آواز پر جہاں وہ چونکا تھا، وہیں اس نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھائی تھی، حمد شکر ہے کہ کوئی جاننے والا نہیں تھا ورنہ آنے والے سے بات کرنے کو لمحہ کے لئے مڑا تھا اور اس نے سکینہ کا ہاتھ پکڑے وہاں سے دوڑ لگادی تھی۔

"تجھے ابھی آنا لازمی تھا۔" سانول شاہ اپنے جگری یار اور چچا زاد بھائی محسن شاہ پر بگڑا

"معاملہ کیا ہے بھئی! اور تو کب سے گاؤں کی مٹیارنوں سے میل ملاقات رکھنے لگا۔" وہ بڑے آرام سے پوچھ رہا تھا اور وہ اسے گھورتا اس کی پشت دیکھنے لگا تھا جو لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جارہی تھی۔

"تو نے بہت غلط وقت پر انٹری دی ہے۔"

"بھئی مجھے کہاں معلوم تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر یوں بھاگ جائے گی، ویسے تھی کون؟ مگر تھی بڑی سوہنی۔" اس نے آنکھ دبا کر کہا تھا۔

"ہاں تھی تو بہت سوہنی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں گاؤں میں بھی اتنا حسن دیکھنے کو مل سکتا ہے۔" وہ جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے نہایت شرارت سے بولا تھا، جبھی اس کا پاؤں کسی ایسی چیز پر پڑا تھا جو اس کے شوز کی ٹھوکر سے دور ہوئی تھی اور اپنی موجودگی کا احساس اپنی آواز سے دلایا تھا، اس نے نگاہ نیچی کی تھی اور قدرے جھک کر چاندی کی چوڑی پازیب اٹھالی تھی۔

"اس کا مطلب ہے وہ حسینہ دوبارہ ضرور ملے گی۔" اس نے جیب میں رکھتے ہوئے شوخی سے کہا تھا۔

"سنبھل کر میرے یار، یہ دشمنوں کا گاؤں"

"یہاں نفرت کا بیج تو صدیوں سے بویا جارہا ہے، مگر محبت کا بیج سردار سانول شاہ بوئے گا، وہ حسینہ تیرے یار کا دل چرا لے گئی ہے۔" وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے معنی خیزی سے بولا تھا۔

"ویسے تھی کون؟"

"رب سائیں جانیں، مگر خیال ہے کہ یہاں کے سردار کی بیٹی ہے۔" وہ اطمینان سے بولتا اس کا اطمینان غارت کرگیا تھا۔

"یومین، سردار افگن شاہ کی بیٹی، مرنے کا ارادہ ہے کیا، افگن شاہ کے خاندان سے نسلوں کی دشمنی ہے۔" اس نے نہایت پریشانی سے اس کو دلایا تھا۔

"جانتا ہوں، مگر دل نہیں مانتا ان چیزوں کو اور پلیز اس وقت میرا موڈ خراب مت کر، کہانی شروع نہیں ہوئی کہ تو اختتام کی فکر میں ہلکان ہوئے جارہا ہے، مجھے جانتا نہیں ہے کہ وقت سے پہلے میں پل نہیں باندھتا۔" وہ اسے ناگواری ٹوک گیا تھا۔

☆☆☆

سردار شاہنواز کے تین بچے ہیں، سب سے بڑی، زینت، دوسرے نمبر پر سانول شاہ اور سب سے چھوٹی زینب ہے، سانول شاہ کچھ دن قبل ہی لندن سے پڑھ کے لوٹا ہے، شاہنواز کے ایک ہی بھائی دلنواز ہے اور جس کے دو بچے ہیں، محسن شاہ اور سونیا شاہ ہے، سردار شاہنواز کی ایک ہی بہن وحیدہ شاہ ہیں جو بیوہ تھیں اور ان کے تین بچے تھے، دلاور شاہ، معصومہ شاہ، بہادر شاہ، زینت کی دلاور سے شادی ہوگئی ہے، زینب، محسن شاہ کی منگ ہے، معصومہ، سانول شاہ کی، جبکہ سونیا بہادر شاہ کی منگ ہے۔

محسن شاہ بھی کچھ دن قبل اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے سانول شاہ کے ہی ساتھ لوٹا ہے، ان دونوں میں گہری دوستی ہے، دونوں نے حویلی سے باہر زیادہ وقت گزارا ہے، لیکن دونوں ہی حویلی کے معمولات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کس سے دوستی ہے، کس سے دشمنی ہے، گاؤں میں کس وقت کیا چل رہا ہوتا ہے اور اس کا کریڈٹ محسن کو جاتا ہے جو خود ہمیشہ حویلی کے مکینوں سے رابطے میں رہا اور تمام ملنے والی معلومات وقتاً فوقتاً سانول شاہ کے بھی گوش گزار کردی، کیونکہ وہ ان سب چیزوں میں خود سے دلچسپی نہیں لیتا تھا اور اس وقت محسن شاہ کے یاد دلانے پر وہ الٹا اسی پر بگڑنے لگا تھا اور وہ اس سے مناسب وقت میں بات کرنے کا سوچتا خاموش ہوگیا تھا۔

☆☆☆

"معاف کیجئے گا ادا سائیں، سلام ادا سائیں۔" وہ اپنی عجلت میں ماہن شاہ کو دیکھ نہیں سکی تھی، ان سے ٹکرائی تھی، انہوں نے بروقت اسے تھام کر گرنے سے بچایا تھا اور وہ بدحواسی سے گویا ہوئی تھی۔

"آپ اس وقت کہاں سے آرہی ہیں؟" وہ اس کی اڑی رنگت دیکھ کر برہمی سے استفسار کر

رہے تھے۔
''وہ ادا سائیں! ہم بابا سائیں کی اجازت سے گئے تھے۔''
''جب ہم نے آپ کو منع کر دیا تھا تو بابا سائیں سے اجازت لینے کی آپ نے ضرورت کیوں محسوس کی؟ کیا آپ کی نظر میں ہماری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' وہ سختی سے کہہ رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے، وہ اس سے ایسے بات کرتے ہی کب تھے۔
''پتر! آپ غصہ نہ کریں، سائیں سے عائشہ نے نہیں ہم نے بات کی تھی۔'' رفیعہ بیٹی کی مدد کو آن پہنچی تھیں۔
''اماں سائیں! وقت دیکھا ہے آپ نے، شام کے ساڑھے سات بج رہے ہیں، کتنا اندھیرا ہو رہا ہے باہر اور یہ اب تک اکیلے گھر سے باہر تھیں۔'' وہ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔
''ہم اکیلے نہیں گئے تھے ادا سائیں، سکینہ ہمارے ساتھ......''
''کسی قسم کی اونچ نیچ ہو جاتی ہے تو سکینہ کر سکتی ہیں۔'' وہ درشتگی سے پوچھتے ہوئے اسے شرمندہ کر گئے تھے۔
''معاف کیجئے گا ادا سائیں، ہم آئندہ نہیں جائیں گے اور دیر بھی آج ہوگئی تھی، ورنہ ہم ایک گھنٹہ میں لوٹ آتے ہیں۔'' وہ نہایت آہستگی سے بولی تھی۔
''آئندہ آپ حویلی سے بالکل باہر نہیں نکلیں گی، کجا کہ اکیلے اور آپ یہ کس طرح حویلی سے باہر گئی تھیں، چادر کہاں ہیں آپ کی اور آپ نے حجاب بھی نہیں لگایا ہوا، اتنی آزادی آپ کو کس نے دی؟'' وہ اس پر بری طرح برستے کڑی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ بری طرح گڑبڑاتی شرمندگی سے انگلیاں چٹخانے لگی تھی۔
''پتر! یہ گھر سے حجاب میں ہی گئی تھیں، ہم خود ان باتوں کا پورا خیال رکھتے ہیں۔'' انہوں نے اسے جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔
''اماں سائیں! وہ حجاب ہمیں نظر کیوں نہیں آرہا؟ چادر تو دور انہوں نے دوپٹہ کو بھی اس کے لینے کے طریقے سے نہیں لیا ہوا۔'' وہ جاتی اس سے قبل ہی وہ نہایت طنز سے کہتے اس کے قدم جکڑ گئے تھے، وہ اپنی بدحواسی میں دوپٹہ سر پہ ڈالنا بھول گئی تھی اور بھاگنے کی وجہ سے وہ بے ترتیب ہو رہا تھا، رفیعہ کا بھی اس طرف دھیان نہیں گیا تھا اور بیٹے کی بات انہیں از حد شرمندہ ہی تو کر گئی تھی اور وہ تو زمین میں گڑھی جارہی تھی شمسہ اس کی ندامت محسوس کرتیں اور شوہر کے تیوروں سے خائف ہوتیں، اسے بازو سے تھامے وہاں سے لے کر نکل گئی تھیں۔
''اماں سائیں! ہمارا مقصد آپ کو عائشہ کو شرمندہ کرنا ہرگز نہیں ہے۔'' وہ ماں کی خاموشی محسوس کرتے کہنے لگے تھے
''ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں، مگر آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' بیٹے کو ٹوک کر آہستگی سے بولی تھیں۔
''اماں سائیں! آپ قہوہ میرے کمرے میں بھیج دیں۔'' انہوں نے بات ختم کرنے کے لئے کہا تھا۔
''ٹھیک ہے ہم ابھی بھجوا دیتے ہیں، مگر، آپ سے ایک بات کہیں۔'' رفیعہ نرمی سے بات کر رہی تھیں۔
''حکم اماں سائیں!''
''پتر! عائشہ دھی، کہیں نہیں جاتیں، ایک ندی......''
''بات قطع کرنے کی معافی چاہتے ہیں اماں سائیں! لیکن ہمیں عائشہ کا گھر سے نکلنا ناپسند ہے۔''
''آپ کی بات سر آنکھوں پر، لیکن عائشہ دھی کی خوشی۔''
''آپ اکیلے مت بھیجا کریں اور ہو سکے تو عائشہ دوپہر میں چلی جایا کریں۔'' وہ ماں سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ کر ان سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے اور وہ سکون کا سانس لیتیں باورچی خانہ کی طرف بڑھی تھیں تاکہ ملازمہ سے قہوہ کے لئے کہہ دیں اور رات کے کھانے کی تیاری بھی دیکھ لیں۔

☆☆☆

سردار افگن شاہ، اس چھوٹے سے گاؤں کے کرتا دھرتا تھے، افگن شاہ کی صرف دو اولادیں تھے، ماہن شاہ بڑے اور ان سے پورے چودہ سال چھوٹی عائشہ ہے، افگن شاہ کو خدا نے اولاد کی دولت سے سرفراز تو کیا مگر ان کی زیادہ تر بچے چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے، عائشہ بہت منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوئی چھ ماہ کی تھی کہ شدید بیمار ہوگئی تھی، افگن شاہ کے تین بچے اسی عمر میں معمولی سی علالت کے بعد خدا کو پیارے ہوگئے تھے، عائشہ تو ماہن کی پیدائش کے پورے چودہ سال بعد ہوئی تھی، اس کی بیماری نے افگن شاہ اور رفیعہ کو بہت بے کل کر دیا تھا، کتنے ہی مزاروں پر انہوں نے بیٹی کی صحت یابی کے لئے دعائیں مانگیں، منتیں چڑھائیں خدا نے عائشہ کی زندگی لکھی تھی، ان کی دعائیں بازیاب ہوگئیں اور وہ صحت یاب ہوگئی، لیکن بیمار بہت رہی تھی، اس لئے اس کو بہت ناز و نعم میں پالا گیا تھا، اس کی ہر ضد پوری کی جاتی تھی، گھر کے ہر فرد کی جیسے اس میں جان بند تھی، بچپن جیسے تیسے گزر گیا اب وہ سولہ برس کی ہوگئی تھی، مکمل طور پر صحت یاب بھی تھی بچپن کی طرح ہر پندرہ دن بعد بیمار بھی نہیں ہوتی تھی، مگر اس کا خیال رکھنے کی ان لوگوں کو عادت سی ہوگئی تھی، اس نے قرآن شریف پڑھا تھا اور مقامی اسکول سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی، اس سے آگے پڑھنے کی اسے اجازت نہیں ملی تھی اور اس کی ضد کو دیکھتے ہوئے اسے پرائیویٹ پڑھنے کی اجازت مل گئی تھی اور وہ سیکنڈ ائیر کے پیپرز کی تیاری کر رہی تھی، اس کا صرف ایک ہی شوق تھا شام کے وقت ندی کنارے بیٹھ کر گنگنانا، ڈوبتے سورج کو دیکھنا، افگن شاہ نے تو اسے پھر بھی اجازت دے دی تھی لیکن ماہن شاہ کو اس کا حویلی سے نکلنا سخت ناپسند تھا، ماہن شاہ نے کراچی یونیورسٹی سے انوائرمینٹل (ماحولیات) سائنس میں ماسٹرز کیا تھا، شمسہ ان کی کلاس فیلو تھی جس سے وہ محبت کر بیٹھے تھے، افگن شاہ سے بات کی، شمسہ بھی ان کی طرح سید تھی، افگن شاہ روایتی جاگیرداروں کے برعکس نرم سوچ کے حامل تھے، انہوں نے بیٹے کی خوشی کا خیال رکھا تھا، افگن شاہ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے، اور انہوں نے بیٹے کی شادی غیروں میں ہی کرنی تھی اس لئے بیٹے کی خوشی کو مقدم جانا تھا اور شمسہ ایک اچھی بیوی اور بہترین بہو ثابت ہوئی تھی، شمسہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اور اس کے دو بھائی ہیں ایک بھائی بڑا اور شادی شدہ ہے اور ایک بھائی جواد علی ہے جس کے لئے اس کی والدہ آج کل لڑکیاں ڈھونڈ رہی تھیں۔

☆☆☆

''عائشہ کہاں ہیں، وہ کھانا نہیں کھائیں گی کیا؟'' دستر خوان پر سب ہی تھے ایک وہی نہیں تھی افگن شاہ کو اس کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔
''بابا سائیں ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، وہ آرام کر رہی ہیں۔'' شمسہ نے بتایا تھا اور وہ پریشان ہوا ٹھے تھے۔
''سائیں! آپ کا کھانا کھائیے، عائشہ ٹھیک ہیں، آپ تو جانتے ہیں انہیں ندی پر جانا کتنا پسند ہے، وہ کچھ دیر پہلے وہیں سے آئی ہیں، پیدل گئی تھیں اور پیدل ہی آئی ہیں تو تھک گئی ہیں۔'' رفیعہ شاہ نے آہستگی سے ان کی پریشانی

دور کی تھی۔
"دادا سائیں، بوا جی بہت رو رہی تھی۔" عالیان شاہ کے بولنے کی کسی کو امید نہیں تھی اور ماہن شاہ شرمندگی محسوس کرنے لگے تھے، وہ اپنی ہی پریشانی میں اس پر ضرورت سے زیادہ ہی برس گئے تھے۔
"سکینہ! جا کر بی بی سائیں کو بلا کر لائے، کہیے گا ہم نے بلایا ہے۔"
"کوئی ہمیں بتائے گا کہ بات کیا ہے۔" وہ ایک کے بعد ایک کے مبہم سا بولنے پر گرجدار آواز میں بولے تھے۔
"دادا سائیں! بوا جی کی پازیب کہیں کھو گئی ہے، وہ اس کے لئے رو رہی تھی۔" عالیان شاہ نے اس کی معلومات بڑھائی تھیں۔
"ہم تو اتنی سی چیز پر کبھی نہ روتے۔" خاموش بیٹھے ریان نے بھی مداخلت کی تھی، شمسہ دونوں بیٹوں کو گھورنے لگی تھیں۔
"سلام بابا سائیں!" دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے وہ روئی روئی سی ان کے سامنے تھی۔
"ہماری دھی رانی کی پازیب کھو گئی ہے تو اس میں رونے والی تو کوئی بات نہیں ہے، ایک پازیب کی جگہ ہم ہزاروں پازیبوں کا اپنی دھی رانی کے پاس ڈھیر لگا دیں گے۔" سلام کا جواب دیے کر وہ نہایت نرمی سے بولے تھے، وہ پورے گاؤں اور حویلی کے مکینوں کے لئے سخت اور جابر ہو سکتے تھے لیکن عائشہ شاہ کے لئے وہ ہمیشہ نرم مہربان سایہ ہی ثابت ہوئے تھے۔
"ہمیں اور پازیب نہیں چاہیے بابا سائیں، وہ ہماری پسندیدہ پازیب تھی، اسے ہم کبھی نہیں اتارتے تھے، مگر آج نہ جانے کیسے کھو گئی۔" وہ نہایت آہستگی سے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بول رہی تھی، آنسو اس کے رخساروں پر لڑھکتے جا رہے تھے۔
"ماہن شاہ، خدا بخش کو پازیب ڈھونڈنے کے لئے فوراً بھیجیں، سکینہ کو ساتھ کر دیجئے گا تا کہ وہ خدا بخش کی راہ نمائی کر سکیں۔" وہ باپ کے حکم پر ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اٹھ گئے تھے۔
"ہم نے خدا بخش کو بھیجا ہے، آپ پریشان نہ ہوں اور کھانا کھا لیں۔" بیٹے کی واپسی پر وہ بولے تھے اور خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے۔
"ماہن شاہ کے دو بیٹے ہیں، عالیان شاہ اور ریان شاہ، دونوں جڑواں ہیں، مگر وہ دونوں میں ایک دوسرے سے یکسر مختلف ریان دادا کی طرح نرم خو جبکہ عالیان باپ کی طرح سخت مزاج کے تھے، دونوں نے قرآن پاک ختم کر لیا ہے اور مقامی سکول میں چھٹی جماعت میں زیر تعلیم تھے، دونوں کی ہی عائشہ سے خوب بنتی ہے، مگر ریان اس کے دل سے زیادہ قریب تھا کیونکہ وہ عالیان سے اکثر دب کر اپنا حق چھوڑ دیتا تھا اس لئے وہ ہی ریان کے حق کے لئے لڑ پڑتی تھی اسی لئے عالیان اکثر کہتا تھا کہ "عائشہ کو وہ نہیں ریان زیادہ عزیز ہے۔" اور وہ محض مسکرا کر رہ جاتی تھی کیونکہ اسے تو اپنے دونوں ہی بھتیجے بہت عزیز ہیں اور وہ ان کا پورا خیال رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی۔
"سکینہ! مل گئی ہماری پازیب۔" وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تھے قہوہ کا دور چل رہا تھا جب سکینہ کی واپسی ہوئی تھی اور وہ بڑی بے تابی سے بولی تھی۔
"نہیں بی بی سائیں! ہم نے بہت اچھے طریقے سے ڈھونڈی لیکن وہ نہیں ملی۔" وہ شرمندہ تھی جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔
"رات ہو گئی ہے آپ جا کر سو جائیں، صبح دن کے اجالے میں ڈھونڈیں گے تو مل جائے گی۔" سکینہ کو جانے کا اشارہ کر کے بیٹی سے بولے تھے جو اتری صورت کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔
"آپ خاندانی زیورات میں سے پازیب دھی رانی کو دے دیں، وہ بہت اداس ہیں اور ہم اپنی بٹیا کو اداس نہیں دیکھ سکتے۔" قہوہ کی خالی پیالی رکھتے ہوئے وہ بیوی سے بولے تھے۔
"سائیں انہیں صرف وہی پازیب چاہیے، ورنہ پازیبوں کا تو عائشہ بٹیا کے پاس ڈھیر لگا ہوا ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں اٹھ گئے تھے، صبح دن نکلتے ہی انہوں نے خادموں کو پازیب کی تلاش میں روانہ کر دیا تھا، مگر وہ وہاں ہوتی تو ملتی۔
"خدا بخش وہ پازیب آخر جا کہاں سکتی ہے، اسے زمین نگل گئی یا آسماں کھا گیا۔" وہ اکام لوٹے خادم پر بری طرح گرج رہے تھے۔
"سائیں! میں نے بی بی سائیں کی پازیب ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے مگر مجھے لگتا ہے وہ کسی کے ہاتھ لگ گئی ہے ورنہ ہم کل سے ڈھونڈ رہے ہیں، ہاں ہوتی تو مل جاتی۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولا تھا یہ خیال تو خود انہیں بھی گزرا تھا۔
"گاؤں میں اعلان کروا دیں، بی بی سائیں کی پازیب جس کسی کو بھی ملی ہے وہ لوٹا کر جائے، اسے بھاری انعام ملے گا۔" وہ سے حکم دے کر مزارعوں کی طرف گھوم گئے تھے جو اپنی درخواستیں لے کر ان کے پاس آئے تھے، مگر اعلان کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا، کیونکہ وہ پازیب تو سردار سانول شاہ کے کوٹ کی جیب میں رکھی تھی اور وہ اس اعلان و تلاش سے یکسر انجان تھا، اس طرح اعلان کے بعد پازیب نہ ملنے پر ان سب کو ہی تشویش ہوئی تھی لیکن کر کچھ نہیں سکتے تھے اور عائشہ نے بھی نہ چاہتے ہوئے بھی صبر کر لیا تھا، مگر ماں کی دی ہوئی ایک سے ایک حسین پازیب بھی لینے اور پاؤں میں سجانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

☆☆☆

"آپ نے بلایا تھا بابا سائیں!" سانول شاہ سلام کرتا پوچھ رہا تھا اور ان کے اشارے پر چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔
"پتر! تو نے اب آگے کیا سوچا ہے، کیا کرنا ہے؟" سردار شاہنواز کے چہرے سے ہی سختی و رعونت ٹپکتی تھی وہ عام سادہ بات بھی دبنگ انداز میں کرنے کے عادی تھے۔
"بابا سائیں! میں اپنا بزنس کرنا چاہتا ہوں۔"
"اس سے تمہاری کیا مراد ہے، پرکھوں کی اتنی جائیداد زمینیں ہیں، اسی کو سنبھالو۔"
"جاگیرداری سے مجھے بالکل لگاؤ نہیں ہے بابا سائیں!"
"شاباش ہے پتر! جاگیردار ہو کر جاگیرداری سے تجھے لگاؤ نہیں ہے۔" وہ اس کے آہستگی سے کہنے پر بھی اس پر چڑھ دوڑے تھے۔
"بابا سائیں! یہ زمینوں ومینوں کا مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا، میں اس سب سے دور رہا ہوں اور آگے بھی رہنا چاہتا ہوں۔"
وہ بھی انہی کا بیٹا تھا اپنی بات پر ڈٹا تھا۔
"دیکھ پتر! تو نے پڑھنا چاہا، ہم نے اجازت دی، مگر اب ہم تیری بات نہیں مانیں گے، تو پرکھوں کی زمینوں میں ہی دل لگا۔" وہ نہایت سختی سے اسے باور کرا رہے تھے۔
"بابا سائیں! مجھے اپنا بزنس کرنا ہے، میں شہر جانا چاہتا ہوں، یہاں کا فرسودہ ماحول مجھے بھلا نہیں لگتا، یہاں گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔" وہ ان کے سخت رویے کا بالکل خاطر میں نہیں لایا تھا۔
"تایا سائیں! مداخلت کی معافی چاہتا ہوں، لیکن میں بھی سانول کے ساتھ ہی بزنس کرنا چاہتا ہوں، ایسا نہیں ہے کہ مجھے یہاں کا ماحول فرسودہ لگتا ہے، یا گھٹن ہوتی ہے ایسا کچھ نہیں ہے، مگر ہم صرف اپنی تعلیم اپنے شوق کی خاطر ایسا کرنے چاہتے ہیں، کیونکہ ہماری جڑیں یہی ہیں، ہم کہیں بھی کیوں نہ چلے جائیں، لوٹ کر یہی آنا ہے۔" اب کے محسن بہت ادب سے

کہہ رہا تھا اور وہ جو صرف ان سے بحث کرتا ان کے غصہ کو ہوا دے رہا تھا وہ اسے گھورتے پلٹ کر محسن شاہ کو دیکھنے لگے تھے۔

"ٹھیک ہے، سرمایہ جتنا چاہو گے میں لگا دوں گا، رہائش کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہو گا، لیکن تم دونوں یہ یاد رکھنا کہ تم بزنس چاہے کوئی بھی کیوں نہ شروع کر لو، تم دونوں کو ہی ایک نہ ایک دن باپ دادا کی جگہ سنبھالنی ہے، اس لئے میرا مشورہ تو یہی ہے کہ اپنے اصل سے بھاگنے کی بجائے اسے پہچانو۔" وہ محسن سے زیادہ اسے سنا رہے تھے۔

"اور شادی کا کیا ارادہ ہے؟" کچھ دیر بعد وہ بولے۔

"تایا سائیں! جب آپ حکم کریں۔" اب کے پھر محسن ہی فرماں برداری سے بولا تھا۔

"لیکن میرا شادی کا ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے، بزنس سیٹ کرنے کے بعد ہی سوچوں گا۔" سانول فوراً بولا۔

محسن تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا، اس سچویشن کو کتنی سمجھداری سے ہینڈل کیا تھا اور وہ جیسے اس کی ہر کوشش کو ہی ناکام بنا گیا تھا۔

"بہت زیادہ اونچا اڑنے کی ضرورت نہیں ہے سانول پتر! اور یہ یاد رکھنا کہ شہر میں جا کر ادھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ تیرا رشتہ پھپھو کی دھی سے طے ہو چکا ہے اِدھر اُدھر تجھے منہ مارنے سے ہم نہیں روکیں گے، مرد کو یہ سب کرنے کی کھلی چھوٹ ہوتی ہے، مگر یہ یاد رکھنا کہ بیوی تیری معصومہ دھی ہی بنے گی، ہم کسی شہری لڑکی کو اپنی بہو ہرگز نہیں بنائیں گے۔" وہ بیٹے کو بہت کچھ باور کراتے ایک تیز نظر ڈالتے مردان خانے سے نکل گئے تھے۔

"تیرا دماغ خراب ہے سانول! بات کرنے سے پہلے مقابل کو تو دیکھ لیا کر۔"

"رہنے دے محسن! مجھے لوگوں کی خوشامد کرنے کی عادت نہیں ہے۔" وہ بڑے آرام سے بولا تھا۔

"وہ کوئی نہیں، تیرے بابا سائیں ہیں۔"

"تو خدا تو نہیں میں وہی کروں گا جو میرا دل میرا دماغ چاہے گا، میں کسی کا غلام نہیں ہوں، کہ مٹی کے مادھو کی طرح حکم پر سر جھکاؤں، میری زندگی ہے میں اسے اپنے انداز سے گزاروں گا، میں کسی کی بھی جی حضوری نہیں کر سکتا، چاہے وہ میرا باپ ہی کیوں نہ ہو۔" وہ سخت وٹھوس لہجے میں اسے باور کرا رہا تھا۔

"بزنس کا خیال کیوں آیا؟ تیرے مزاج کے حساب سے تو جاگیرداری ہی ٹھیک ہے۔" اس نے طنز کیا تھا۔

"یو آر رائٹ بٹ مجھے یہاں سے فرار حاصل کرنی ہے، یہ بھی کوئی زندگی ہے، مجھے اپنی زندگی میں مصروفیت چاہیے۔" اس کے اطمینان میں فرق نہیں آیا تھا۔

"لیکن تجھے مصروفیت نہیں چاہیے۔"

"میں نے تجھ سے کچھ نہیں کہا تھا، تو خود اچھا بننے کے لئے بابا سائیں کے سامنے فرماں برداری کے ریکارڈ توڑنے پر تلا تھا۔" وہ اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

"میں اگر بروقت مداخلت نہ کرتا تو، تو نے بدتمیزی کے ریکارڈ توڑ دینے تھے۔"

"میرا ماننا یہی ہے کہ زیادہ فرمانبرداری بھی اچھی نہیں ہوتی۔"

"اور میرا ماننا یہ ہے کہ زیادہ نافرمانی بھی۔"

"او میرے باپ کے چمچے چپ کر جا، مجھے تو لگتا ہے بچپن سے میرے ساتھ اس غیر ملک میں تو نہیں تھا، اتنے سارے سال وہاں گزار کر بھی تو جاگیردار ہی رہا۔"

"جاگیردار ہوں تو رہا ہوں نہ، تیری طرح نہیں، تجھے جاگیرداری سے ہی لگاؤ نہیں ہے، میری جان تو بزنس کا خیال دل سے نکال دے، فالتو کی خواری، مغز ماری، محنت الگ، آرام سے باپ دادا کی دولت پر عیش کر، ہم تو کیا ہمارے بچے بھی ہاتھ پیر ہلائے بغیر صدیوں تک کھا سکتے ہیں، شہر چلنا ہے تو گھومنے چلتے ہیں۔" محسن نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی مگر وہ عمل اور ذہنیت سے پکا جاگیردار تھا۔

"تایا سائیں نے ویسے ہی اجازت دی ہوئی ہے، آرام سے وہاں رہیں گے اور شہری حسیناؤں کی زلفوں تلے شامیں، بسر کریں گے۔" اس نے نہایت کمینگی سے کہتے ہوئے اسے آنکھ ماری تھی۔

"حسینائیں تجھے مبارک ہوں، میں نے لندن کی آزاد فضا میں اپنے نفس کے بے لگام گھوڑے کی طنابیں کس رکھی تھیں تو شہر کی حسینائیں بھی میرے دل و دماغ پر ہرگز اثر نہیں کریں گی۔" وہ نہایت سختی سے بولا تھا اور اس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

"شہری حسینہ کو تو چھوڑ، گاؤں کی حسینہ تو تیرے دل پر وار کر ہی گئی ہے، اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"نیک ہی خیال ہے۔" اس کا خوبصورت متناسب سراپا اس کی آنکھوں میں لہرایا تھا۔

"یعنی شادی۔"

"شادی کا ابھی سوچا نہیں ہے، یہ ضرور ہے کہ جس طرف تیری سوچ کی پرواز ہے ایسا میں نہیں سوچ رہا۔"

"شادی کا تو سوچنا بھی مت ایسا ممکن ہی نہیں ہے، ہاں وقت گزاری کے لئے ایک وہی کیا کتنی ہی مہ جبینوں کو تیرے قدموں میں ڈالا جا سکتا ہے، اس سوا یزی۔"

"شٹ اپ محسن! عورت میرے لئے ہر [illegible] احترام ہے۔" اس [illegible] دل در زبان پر واضح ناگواری تھی۔

"جس سے کوئی رشتہ نہیں ہو اس کے بارے میں تو سوچا۔"

"عورت میرے لئے کسی رشتہ کے نہ ہوتے ہوئے بھی قابل احترام ہے، کیونکہ عورت کی عزت ہم پر فرض ہوتی ہے، آج ہم کسی کی بہن بیٹی کی عزت کریں گے تب ہی کوئی ہماری بہن بیٹی کو بھی عزت دے گا۔"

"چھوڑو یار لندن سے آیا ہے باتیں ایسی کرتا ہے جیسے حج کر کے لوٹا ہو۔" ان دونوں کی جن معاملات میں کبھی نہیں بنی تھی یہ بھی اس میں سے ایک بڑا مسئلہ تھا۔

"میری باتوں کو ہوا میں نہ اڑایا کر محسن، میں کچھ غلط نہیں کہہ رہا جیسے تو مرد ہے، دنیا میں اور بھی مرد ہیں اور تو جن عورتوں کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یا جن کو زبردستی اس راہ پر لے کر آتا ہے، وہ انہی مردوں کی عزت ہوتی ہیں اور جو چیز تو بحیثیت مرد اپنے لئے اچھی سمجھتا ہے وہ دنیا کے کتنے ہی مرد بہترین سمجھتے ہوں گے اور جب تو کسی کی عزت پر ہاتھ ڈال سکتا ہے تو کوئی اور بھی تیری عزت......"

"شٹ اپ سانول!" محسن چیخ کر بولا تھا۔

"جو بات تو سن نہیں سکتا تو اسے بھی دوسروں کا مقدر نہ بنا۔" وہ بھی تلخی سے بولا تھا، اسے اس کے دوغلے لوگ سخت ناپسند تھے۔

"تو بھی دنیا کے انہی پچاسی فیصد مردوں میں سے ہے جو دوسروں کی عزتیں پامال کرتے پھرتے ہیں، مگر بات جب اپنی عزت کی آتی ہے تو مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں، جو تو اپنے لئے اچھا سمجھ رہا ہے وہ سب کے لئے سمجھے تو تجھے مانوں۔" وہ نہایت طنز سے کہتا چیلنجنگ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"تو وہ کر جو تجھے صحیح لگتا ہے اور مجھے وہ کرنے دے جو مجھے صحیح لگتا ہے۔" وہ غصہ سے

تمتماتے چہرے کے ساتھ بولا تھا اور وہ طنزیہ ہنس دیا تھا۔

''اس لئے مجھے جاگیرداری پسند نہیں ہے، زمینوں پر حکومت کرنے کرنے انسانوں پر حکومت کرنے لگتے ہیں۔''

''تیری ناپسندیدگی کے باوجود تو رہے کا جاگیردار ہی۔''

''مجھے جاگیردار ہونے پر نہیں، خود کو خدا سمجھنے پر اعتراض ہے، ہمارے باپ دادا نے غریبوں کسانوں کو کبھی اپنے برابر کا درجہ نہیں دیا، حقارت بھری زندگی ان کا مقدر بنا دی ہے، جبکہ وہ محنت کرتے ہیں، ہم ان کی محنت کا کھاتے ہیں اور انہی پر غراتے ہیں، ان کی محنت کا پھل نہیں دیتے، اپنی عورتوں کو حویلی میں سات پردوں میں چھپا کر رکھتے ہیں اور غریبوں کی عزتوں کو اپنی جاگیرداری کے زعم میں رول دیتے ہیں۔''

سانول شاہ تعلیم کے میدان میں تو اول تھا ہی زبردست مقرر بھی تھا، اس وقت بھی اس نے تقریر کر ڈالی تھی، جو محسن نے سنی خاموشی سے تھی اور اس کو چپ کروانے کو باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے اور مردان خانے سے نکل گیا تھا اور اپنے کمرے کی راہ لی تھی۔

☆☆☆

''کہاں جا رہی ہیں آپ عائشہ۔'' وہ پلٹی تھی اور اس کی نگاہ وائٹ کرتے شلوار میں کاندھوں پر شال پھیلائے ماہن شاہ، پر پڑی تھی، اس نے دوپٹہ سر پر ڈالتے ہوئے انہیں سلام کیا تھا اور جس کا جواب دے کر وہ اپنے سوال کے جواب کے انتظار میں تھے۔

''ادا سائیں، ہم وہ ندی۔''

''ہم نے آپ کو وہاں جانے سے منع کیا تھا۔'' وہ جانتے تھے کہ وہ کہاں جا رہی ہے اسکے باوجود پوچھا تھا اور وہ گھبرا کر ادھورے جملے ہی بولی تھی کہ وہ سختی سے ٹوک گئے تھے۔

''ادا سائیں! ہم نے آپ کی حکم عدولی کی معافی چاہتے ہیں، لیکن ہمیں وہاں جانا اچھا لگتا ہے، پلیز ہمیں وہاں جانے دیجئے۔'' اس نے بڑی آس سے بھائی کو دیکھا تھا۔

''ہم وہاں اکیلے نہیں جاتے ادا سائیں، وہ سکینہ۔''

''آپ وہاں دوپہر میں چلی جایا کریں، شام کے وقت آپ کا جانا ٹھیک نہیں ہے، اندھیرا ہو جاتا ہے۔'' وہ اسے مایوس نہیں کر سکے تھے۔

''دوپہر میں ہمیں اماں سائیں نہیں جانے دیتیں، دھوپ بہت موتی ہے نہ، اماں سائیں کو لگتا ہے دھوپ میں جانے سے ہماری رنگت کملا جائے گی، لیکن ادا سائیں، گاؤں کی کتنی ہی عورتیں، کسان وہار ، دن کے وقت کام کرتے ہیں۔''

''عائشہ! آپ اندر جائیں اور چادر اچھے سے اوڑھ کر آ جائیں، ہم آپ کو وہاں لے جائیں گے۔''

''سچ، ادا سائیں۔'' وہ اس کے معصومیت سے کہنے پر دھیمے سے مسکرا دیئے تھے اور وہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف دوڑی تھی۔

''چلیں ادا سائیں۔'' وہ منٹوں میں لوٹی تھی اور جلدی میں باپ کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

''کہاں جانے کی تیاری ہے ہماری بیٹا کی۔'' انہوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

''سلام بابا سائیں! ہم ادا سائیں کے ساتھ ندی کنارے جا رہے ہیں۔'' وہ بے حد خوشی تھی اور انہیں قدرے حیرت ہوئی تھی کیونکہ ماہن شاہ کو اس کا وہاں جانا پسند نہ تھا اور کہاں وہ خود اسے لے جا رہے تھے اور وہ باپ کی حیرانگی بھانپ گئے تھے۔

''بابا سائیں! ہمیں عائشہ کا وہاں جانا، حویلی نے نکلنا بالکل پسند نہیں ہے، مگر ہم عائشہ کی خوشی نظر انداز نہیں کر سکتے۔'' وہ نہایت سنجیدگی سے بولے تھے۔

''عائشہ بٹیا! آپ ابھی اندر جاؤ ہمیں آپ کے ادا سے کچھ بات کرنی ہے، ماہن شاہ آپ مردان خان میں آیئے۔'' بات بہت ضروری تھا اس لئے انہوں نے اسے اندر جانے کا کہہ کر مردان خانے کی طرف قدم بڑھا گئے تھے، ماہن شاہ نے اسے دیکھا تھا، اس کی موٹی موٹی آنکھوں سے برسات جاری ہو گئی تھی۔

''عائشہ! آپ ایسا کیجئے، سکینہ کے ساتھ چلی جائیں، لیکن آدھے گھنٹہ بعد آ جایئے گا۔'' وہ اسے روتا ہوا کہاں دیکھ سکتے تھے۔

''ادا سائیں! آدھا گھنٹہ تو بہت کم ہوتا ہے، ہم ایک گھنٹے میں آ جائیں۔'' وہ اتنی معصومیت سے بولی تھی کہ وہ چپ کر گئے تھے۔

''آپ چہرہ کو اچھی طرح سے ڈھانپ لیں، کسی غیر مرد کی نظر نہیں پڑنی چاہیے۔'' اسے ہدایت دیتے ہوئے، ملازموں کو آواز دی تھی۔

''خدا بخش، رئیس الہٰی، چھوٹی بی بی سائیں کو بہ حفاظت ندی تک لے جائیں اور ان کو حفاظت سے واپس لے کر آئیں اور یہ تو آپ کو پتہ ہی ہے نہ بی بی سائیں سے کتنے فاصلے پر رہ کر ان کی حفاظت کرنی ہے۔'' ہدایت دیتے ہوئے کڑی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

''جی سائیں! ہم بی بی سائیں کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کریں گے۔'' وہ دونوں ادب سے بولے تھے۔

''آپ سکینہ کے ساتھ چلی جائیں اور روز آپ کو یہ پانچ بجے شام آپ کی من پسند جگہ لے جایا کریں گے۔'' ماہن شاہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مردان خانے کی طرف بڑھ گئے تھے، وہ دونوں آگے چل رہی تھیں اور وہ دونوں ہتھیاروں سے لیس ان کے پیچھے چل رہے تھے، حویلی سے ندی تک کا راستہ کافی زیادہ تھا مگر وہ وہاں تک پیدل جانے کو ہی ترجیح دیتی تھی، ہاں واپسی اکثر جیپ میں ہو جاتی تھی مگر وہ جاتی جیپ میں کبھی بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

''بی بی سائیں! آج آپ خاموش کیوں بیٹھی ہیں، اپنا من پسند گیت نہیں گنگنائیں گی۔'' وہ خاموشی سے بیٹھی پاؤں جھلا رہی تھی، وقتاً فوقتاً پانی اچھال دیتی تھی۔

''نہیں آج ہمارا موڈ نہیں ہے۔''

''آپ اپنی پازیب کو لے کر اداس ہیں۔''

''ہاں شاید، ہمیں لیکن سمجھ نہیں آتا کہ ہماری پازیب گئی کہاں؟'' وہ ایک ہفتہ بعد یہاں آئی تھی، سانول شاہ اس عرصہ میں کتنے ہی چکر لگا چکا تھا، آج بھی وہ آیا تو دور سے ہی اسے دو لڑکیاں ندی کے کنارے بیٹھی دکھائی دی تھیں۔

''رک جا سانول! تیرا اس وقت وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔'' محسن کی نظر اسلحہ سے لیس بڑی بڑی مونچھوں والے اِدھر سے اُدھر ٹہلتے دو محافظوں پر پڑی تھی اور اسے اندازہ لگانے میں بالکل دیر نہیں لگی تھی کہ وہ یہاں کیوں ہیں، وہ یقیناً اس کی حفاظت پر معمور تھے اور گاؤں میں یہ عام رواج تھا کہ حویلی کی عورتیں اول تو سیر و تفریح کے لئے نکلتی نہیں تھیں اور اگر نکلتی تھیں تو اسی طرح اسلحے سے لیس ملازم ان کی حفاظت کے لئے موجود ہوتے تھے، اس کے متوجہ کرنے پر سانول شاہ نے بھی انہیں دیکھا تھا۔

''محسن شاہ! ان ملازموں کو اِدھر اُدھر کر، مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا تھا۔

''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے، وہ اگر اس گاؤں کے سردار کی بیٹی ہوئی تو خون خرابہ ہو جائے گا۔''

''آئی ڈونٹ کیئر محسن، مجھے اس سے ہر حال میں بات کرنی ہے۔'' وہ اس کی تشویش کو

کسی خاطر میں نہیں لایا تھا۔
''اگر وہاں کوئی اور ہوا تو؟''
''یہ سب میرے سوچنے کی باتیں ہیں۔''
''تو وہ کر جو کرنے کو کہہ رہا ہوں، کر نہیں سکتا تو بول۔'' اس کو غصہ آنے میں تو ویسے ہی لمحہ لگتا تھا۔
''پرابلم ہوئی تو، تو خود ذمہ دار ہوگا، یہ یاد رکھنا کہ اس گاؤں کے سردار سے ہمارے پرکھوں کی نسلی دشمنی ہے۔'' وہ اسے باور کرا رہا تھا مگر اس نے جو ٹھان لی تھی وہی کرنا تھا، محسن گاڑی سے اتر گیا تھا اور وہ اسے ان دونوں گارڈ کے ساتھ باتوں میں مصروف دیکھ آرام سے گاڑی سے اترا تھا اور دبے قدموں اس تک پہنچ گیا تھا۔
''بی بی سائیں! ایسا اس پازیب میں کیا ہے کہ آپ اتاروئیں اور اب ایک پازیب پہنی ہوئی ہے۔''
''یہ پازیب میرے دل کے بہت قریب ہے، یہ مجھے اس دنیا کے سب سے خاص انسان نے دی ہے۔'' کہتے ہوئے اس نے نگاہ اٹھائی تھی اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔
''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ گمبھیر آواز میں بولا تھا۔
وہ اس وقت حجاب میں تھی اس کی طرف آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں اور ان آنکھوں نے ہی تو سانول شاہ کا دل جرا کر رت جگے اس کے نصیب میں لکھ دیئے تھے، اس کی واضح بات اسے گڑبڑانے پر مجبور کر گئی تھی۔
''ہمیں آپ سے کوئی بات......''
''میں آپ سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گا، ٹائم ویسٹ کرنے کی بجائے میری بات سن لیں۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ نہایت سنجیدگی سے بولا تھا، وہ خوف کی لپیٹ میں آئی تھی اور اس نے خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا تھا اور کچھ فاصلے پر ماہن شاہ کو دیکھ کر اس کا وجود لرز کر رہ گیا۔

تھا اور اپنے ہی قدموں پر کھڑے رہنا اس کے لئے نہایت دشوار ہوگیا تھا، پیچھے ہوئی تھی کہ پاؤں پھسلا تھا اور وہ توازن قائم نہیں رکھ سکی تھی، پیچھے ندی میں جا گرتی کہ سکینہ آگے بڑھی تھی اور اس کو بچاتے خود ندی میں جا گری تھی۔
''آپ پلیز چھپ جائیں، ادا سائیں نے آپ کو دیکھ لیا تو قیامت ہی آجائے گی۔'' وہ چیخی تھی اور مدد کے لئے ہاتھ پاؤں مارتی کسی کو پکار رہی تھی اور اس سے قبل کہ وہ اس کو بچانے کے لئے کچھ کرتا، ماہن شاہ نے اس طرف قدم بڑھائے تھے اور عائشہ نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور وہ جلدی سے درختوں کی آڑ میں ہوگیا تھا۔
''آپ چیخیں کیوں تھی، سب ٹھیک......''
''ادا سائیں!...... وہ...... سکینہ...... وہ...... ندی میں گر گئی ہے۔'' وہ روتے ہوئے ٹوٹتے ہوئے لہجے میں بولتی ماہن شاہ کو پریشان کر گئی تھی۔
''خدا بخش، رئیس الٰہی۔'' وہ اس کے کہنے پر رئیس الٰہی ندی میں کود پڑا تھا، سکینہ اس کی منگ ہے، وہ تیرا کی جانتا تھا کچھ ہی دیر میں وہ اسے باہر لے آیا تھا۔
''آپ دیکھیں نہیں۔'' وہ تینوں سائیڈ پر ہوگئے تھے، مگر اس کے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے، وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔
''پیٹ دبا کر پانی نکالنے کی کوشش کریں، مصنوعی سانس دینے کی کوشش کریں۔'' وہ ان سے کافی فاصلے پر چلے گئے تھے اور وہ باہر نکلتے ہوئے نہایت دھیمے لہجے میں بولا تھا اور اس کو دیکھ کر اس کی اپنی سانسیں رکنے لگی تھیں۔
''یہ ویسے مرے نہ مریں، آپ کی لاپرواہی ان کو بے موت مار دے گی۔'' وہ قدرے غصہ سے کہتا واپس چھپ گیا تھا تا کہ اس کی جان میں جان آسکے اور اس کے کہے پر عمل کرنے پر اس

کے ساکت وجود میں ہلچل ہونے لگی تھی، رئیس الٰہی اتنی دیر میں گاؤں کی ڈاکٹرنی کو بھی بلا لایا تھا، وہ سکینہ کو دیکھ رہی تھی کچھ ہی دیر میں اٹھ بیٹھی تھی۔
''سکینہ! تم ٹھیک ہو۔'' وہ اس کی طرف لپکی تھی اور وہ بے چاری اثبات میں گردن ہلا گئی تھی۔
''ڈاکٹر صاحبہ! یہ ٹھیک ہے نہ؟''
''بی بی سائیں! یہ بالکل ٹھیک ہے، آپ پریشان نہ ہوں۔'' ڈاکٹر کے کہنے پر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔
''سکینہ تم تو پوری بھیگی ہوئی ہو تم یہیں ٹھہرو، ہم ادا سائیں سے شال لے آتے ہیں۔'' وہ اسے وہیں ٹھہرنے کا کہہ کر ماہن شاہ کی طرف بڑھی تھی۔
کہ سانول شاہ تیزی سے درختوں کی آڑ سے نکلا اور سکینہ کو کچھ کہا جسے سنتے ہی وہ زرد پڑ گئی۔
''مجھے مرنے کا شوق نہیں ہے، سائیں کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے زندہ ہی گاڑھ دیں گے۔'' تو سانول شاہ کی فرمائش سن کر وہ کانپ گئی تھی۔
''تم نے میری مدد کرنے کی حامی نہیں بھری تو میں اسی وقت درخت کی آڑ سے باہر نکل آؤں گا، بعد کے نتائج کی تم خود ذمہ دار ہوگی۔'' اس کا ٹھنڈا لہجہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا گیا تھا۔
''آپ چاہتے کیا ہیں؟'' لہجہ میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی اور آنکھیں خوفزدہ انداز میں کچھ فاصلے پر موجود لوگوں پر ٹھہرتی پلٹ آئی تھی جو کہ دوسری طرف منہ کیے کھڑے تھے کہ وہ واقعی سامنے نہ آجائے۔
''مجھے صرف تمہاری بی بی سائیں سے کچھ بات کرنی ہے، میں کل پانچ بجے یہیں انتظار کروں گی، تم نے مجھے صرف ان سے بات کرنے کا موقع فراہم کرنا ہوگا اور ایسا تم نے نہیں کیا تو

نتائج کی تم خود ذمہ دار ہوگی، میں محض دھمکی نہیں دے رہا، میں بہت کچھ کر سکتا ہوں اور کروں گا بھی۔'' عائشہ کو آتے دیکھ کر وہ چپ کر گیا تھا، عائشہ نے ماہن شاہ کی شال اس کے بھیگے وجود کے گرد لپیٹ دی تھی۔
''ہم معافی چاہتے ہیں سکینہ! ہماری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف سہنی پڑی۔'' وہ شرمندہ سی کہہ رہی تھی اور وہ اس کی نرم آواز کی لوچ اپنے دل پر محسوس کر رہا تھا اور اس کو جاتے ہوئے بڑے پیار وحسرت سے دیکھ رہا تھا، کہ آج بھی وہ اس سے بات تک نہیں کر سکا تھا اس کے نام تک سے واقفیت حاصل نہیں کر پایا تھا اور اب اسے کل شام پانچ بجے کا شدت سے انتظار تھا تا کہ وہ اس سے بات کر سکے، اسے یقین تھا کہ سکینہ اس کی بات ضرور مان لے گی اور عائشہ سے بات کرنے کا موقع فراہم کر دے گی۔

☆☆☆

''تو چاہتا کیا ہے سانول؟''
''کچھ خاص نہیں، بس وہ مجھے بھولتی نہیں ہے، میں اس سے مل کر کوئی فیصلہ کر لینا چاہتا ہوں۔'' وہ اتنے آرام سے بولا تھا کہ جیسے وہ اس سے نہ جانے کتنی دفعہ مل چکا ہو اور آخری ملاقات فیصلہ کن کرنا چاہ رہا ہو۔
''تو سمجھ نہیں رہا ہے سانول! آج بھی گڑبڑ ہوتے ہوتے رہ گئی، وہ تو میں نے یہاں گاؤں میں بہت کم وقت گزارا ہے، اس لئے گارڈ کو شک نہیں ہوا اور وہ مجھے یہاں کوئی مسافر ہی سمجھے، ورنہ دونوں خاندانوں میں ایسی دشمنی ہے کہ آتی جاتی ہواؤں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔''
''کوئی شک کرے یا کچھ بھی، مجھے اس سے سروکار نہیں ہے، میں نے وہی کرنا ہے جو میں نے ٹھان لی ہے۔''
''یعنی برسوں پرانی نسلی دشمنی کو تو نے ہوا

نفی میں گردن ہلا دی تھی۔

"یعنی آج وہاں جانے کو تمہارا دل کر رہا ہے۔" وہ اتنا ہی بولی تھی کہ وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلا گئی تھی اور وہ کچھ لمحے کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

"ہم وہاں نہیں جا سکتے سکینہ، تم یہ مت سمجھنا کہ تمہارا دل کر رہا ہے اس لئے ہم اپنی بڑائی کے زعم میں وہاں جانے سے منع کر رہے ہیں۔" وہ نہایت شرمندگی سے بولی تھی، کیونکہ وہ کسی کا بھی دل کھا ہی نہیں سکتی تھی۔

"ہم تو اب وہاں کبھی نہیں جائیں گے۔" وہ اداس ہو گئی تھی۔

"کیوں بی بی سائیں!" حیرت اس کی آواز میں سمٹ آئی تھی۔

"سکینہ! وہ لڑکا دو دفعہ ہماری راہ میں آ چکا ہے اور اس سے پہلے کہ بات بڑھ جائے اور بابا سائیں کو اس سب کا پتہ چلے اور وہ ہمارے بارے میں کچھ غلط سوچنے پر مجبور ہو جائیں، ہم وہاں جانا ہی بند کر دیں گے۔"

"لیکن بی بی سائیں! وہ تو آپ کی من پسند جگہ ہے؟"

"ہمارے لئے ہماری پسند سے زیادہ ہماری اور ہمارے بابا سائیں اور ادا سائیں کی عزت و ناموس معنی رکھتی ہے، اس وقت ادا سائیں اس شخص کو وہاں دیکھ لیتے تو ہمیں تو وہ زندہ ہی گاڑھ دیتے، ہم اپنی بے گناہی کیسے ثابت کرتے؟ ادا سائیں، تو پھر بھی ہماری بات کا یقین کر لیتے، مگر گاؤں کا کوئی بندہ ہمیں دیکھ لیتا تو اس نے تو ہمیں ہی غلط سمجھنا تھا اور ہم وہاں جائیں گے ہی نہیں تو ایسا کوئی ڈر بھی نہیں ہو گا، ہمیں تو اب سمجھ آیا ہے سکینہ کہ ادا سائیں ہمیں حویلی سے نکلنے سے کیوں منع کرتے تھے اور اس دن تو غلطی بھی ہماری تھی، حجاب میں ہماری سانس رکتی ہے، بس اس لئے ہم نے اس دن حجاب ہٹایا تھا، اگر ایسا ہم کرتے ہی نہ تو ایک محرم کی نظر ہم پر پڑتی ہی نہیں، اس معاملے میں سائیں کتنے سخت ہیں، اگر انہیں پتہ چل جائے تو نہ جانے کیا کریں گے وہ اور ہمیں لگتا ہے سب سے پہلے وہ ہمارے وہاں جانے پر پابندی لگائیں گے، اس لئے ہم نے خود ہی ابھی وہاں نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے، نہ ہم جا گے نہ وہ ہماری راہ میں آئے گا۔" وہ یہ سب ہوئے بہت دکھی اور اداس تھی، کیونکہ وہاں جا کے لئے وہ شدت سے اگلے دن کا انتظار کر تھی اور ایک اجنبی کی وجہ سے وہ اپنی پسند دست بردار ہونے پر مجبور ہو گئی تھی، کیونکہ اس اس کے گھر والوں نے غیر معمولی محبت دی تھی اس پر بھروسہ کیا تھا، جس کو اس نے کبھی ٹو نہیں دیا تھا اور آگے بھی یہی اس کی کوشش تھی سکینہ بھی اس کی باتوں سے مطمئن ہو گئی تھی کیونکہ کسی قسم کی اونچ نیچ ہوتی تو سب سے وہی جان سے جاتی۔

☆☆☆

"تم لوگوں کو ایک دفعہ کی بات سمجھ نہیں آتی، مجھے کھانا نہیں کھانا۔" وہ نوعمر ملازمہ پر بر طرح گرجا تھا، جو دستک دیتی اسے کھانے لئے بلانے آئی تھی۔

"سانول سائیں! وہ بڑے سائیں آپ کو مردان خانے......"

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور جا کر کہہ دو سب سے مجھے نہیں آنا اور اگر اب تم یا کوئی اور بھی مجھے بلانے آیا تو تمہیں جان سے مار دوں گا۔" گل افشاں کی تو پہلے ہی اس سے جان جاتی تھی، اس کے بری طرح دھاڑنے پر لرزتی ہوئی کمر سے باہر تھی اور وہ اپنی ہی جھونک میں اس کے کمرے میں آتے محسن شاہ کو دیکھ نہیں سکی تھی، ا سے بری طرح ٹکرائی تھی، محسن شاہ نے ا نازک بلوریں سے وجود کو بانہوں کا سہارا دے

نے سے بچایا تھا جبکہ اس کی آنکھوں کی چمک اس کی سنہری رنگت اور چھریرے بدن کو ہی لمہ بڑھ گئی تھی، وہ ایک کم عمر لڑکی مشکل سے رہ سولہ برس کی ہوگی اور حویلی میں کام کرتے ئے بھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہوگا، لیکن اپنی عمر زیادہ سمجھ دار تھی، اس کی آنکھوں کی بڑھتی ئی چمک اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی، اس کا محسن شاہ کا پہلی دفعہ سامنا ہوا تھا اور اس کے محسن کی آنکھوں میں واضح پسندیدگی در آئی تھی رو وہ بھاگنے کو پر تولنے لگی تھی، مگر وہ یہ نہیں جانتی کہ اس کے ابھی بھاگ جانے سے کبھی اس کی ت نہیں ہونے والی، کیونکہ اس کی معصومیت پر ی نظر پڑ گئی تھی۔

"سائیں! راستہ دے دیں، بڑے یں۔" وہ اس کی بات مکمل ہو سے پہلے اگے بڑھ گیا تھا۔

"سائیں! رک جائیں۔" اسے سانول شاہ کمرے ہیں جاتے دیکھ کر وہ بوکھلا کر آگے ا ھی اور وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا

"اب تک بھی چکو، کیوں روکا ہے؟" وہ ا کی خاموشی پر بولا تھا۔

"سائیں اندر مت جائیں، سانول سائیں سختی سے منع کیا ہے، کوئی ان کی تنہائی میں مخل تو وہ ہماری جان لے لیں گے۔" وہ ڈرتے تے بولی تھی۔

"تمہاری جان تو میرے ہاتھوں جائے ۔" وہ انتہائی وارفتہ نگاہوں سے اسے دیکھتا آہستگی سے کہتا، سانول شاہ کے کمرے داخل ہو گیا تھا۔

"یہ کتنی بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔" نے جھرجھری سی لی تھی اور وہاں سے بھاگ

☆☆☆

"محسن! اس وقت مجھے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔" وہ محسن کو دیکھتے ہی بولا تھا مگر وہ کوئی ملازم تو تھا نہیں کہ اس کے ڈر سے بھاگ لیتا، وہ تو اس کے بیڈ پر ٹک گیا تھا۔

"میں کیا کرتا ہوں، کیا نہیں، کس سے فائدہ پہنچتا ہے، کس سے نقصان یہ سب تجھے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ نہایت غصہ میں اسے مخاطب کرتا سیدھا ہو کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گیا تھا۔

"مجھ سے کیوں اتنا اکھڑا اکھڑا ہے، تیری اس حسینہ کو میں نے تو وہاں آنے سے نہیں روکا۔" اسے بھی غصہ آ گیا تھا۔

"تمیز سے بات کر محسن! وہ تیری ہونے والی بھابھی ہے۔" اس کا انداز اسے بری طرح کھلا تھا۔

"میری بھابھی تو صرف ادی معصومہ نے ہی بننا ہے۔" اس کے لہجے کا برا مانتے ہوئے طنز کیا۔

"تیری بھابھی! وہ لڑکی بنے گی جسے میں بیوی ۔ ؤں اور میں معصومہ سے شادی نہیں کرنے والا، میں نے اپنے لئے لڑکی پسند کر لی ہے۔"

"جس کا نام بھی تو نہیں جانتا۔" محسن طنزاً بولا۔

"نام سے مجھے کیا لینا دینا نہیں ہے، میں بابا سائیں سے آج ہی بات کرنے والا ہوں۔" وہ اس کے طنز کی پرواہ کیے بغیر ٹھوس لہجے میں بولا تھا۔

"اور وہ جیسے مان ہی تو جائیں گے، وہ ہیں ہی اسی انتظار میں تو نام لے گا اور وہ رشتہ لے کر چل پڑیں گے۔"

"زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے محسن! بابا سائیں آرام سے مانیں یا زبردستی انہیں میری بات ماننا ہی ہو گی اور میں اپنی بات

تجھے منوا کر دکھاؤں گا۔'' اس کے تو سر پر لگی پیر پر بجھنے والی بات ہو گئی تھی اور وہ اسے کچھ کہنے کو منہ کھولتے دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے روک گیا تھا، بیڈ سے اترا تھا، پاؤں میں چپل پھنسائی تھی اور ملگجے کپڑوں اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔

''لاجو! بابا سائیں اپنے کمرے میں ہیں، یا مردان خانے میں۔'' اس نے ملازمہ سے پوچھا تھا۔

''سائیں! اپنے کمرے میں ہیں اور آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔'' لاجو اسی کو بلانے جا رہی تھی، ادب سے بولی تھی اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باپ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''سانول شاہ!'' اندر سے شاہنواز شاہ نے آواز لگا کر ''کون ہے؟'' پوچھا تھا تب اس نے کہا تھا اور اجازت ملتے ہی کمرے میں داخل ہو گیا تھا، چار سے پانچ ان کے آرام کا وقت تھا جس میں کوئی مخل نہیں ہوتا تھا مگر رات سے سانول شاہ نے کھانا نہیں کھایا یہ بات ان کے لئے تشویش ناک تھی، اسی لئے اسے بلایا تھا اور وہ بیٹے کا حال دیکھ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے ابھی وہ کچھ کہتے کہ وہ خود ہی بول پڑا تھا۔

''بابا سائیں! میں نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ ان کے لہجے کے اشارے کو نظر انداز کر گیا تھا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے پتر! ہم ادی وحیدہ سے آج ہی بات......''

''آپ کو پھپھو وحیدہ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے بابا سائیں، میں معصومہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''پھر کس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' بیٹے کے تیور اشتعال دلانے والے تھے مگر وہ بیٹے کی طرح جوش نہیں دکھا سکتے تھے۔

''بابا سائیں! میں سردار افگن شاہ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کا بے خوف باک لہجہ ہرگز بھی قابل معافی نہیں تھا ان کی میں۔

''اگر ہم انکار کر دیں۔'' وہ نرمی سے لے کر اس کے اندر کا سارا غبار نکالنا چاہتے تا کہ اندازہ ہو سکے کہ اس میں کتنا دم خم ہے۔

''میں آپ کے انکار کو ماننے سے انکار دوں گا۔''

''کرو گے کیا؟ سردار افگن کی بیٹی شادی کرنا کوئی اتنا آسان کام تو نہیں ہے، سے ہماری نسلی دشمنی ہے۔''

''بابا سائیں! میں کسی دشمنی کو نہیں مانتا، اس شادی کے لئے کسی بھی حد تک جا ہوں۔''

''آخر کس حد تک مجھے بھی تو پتہ چلے''

''جان دینی پڑے گی تو جان بھی دے د گا۔''

''ہاہاہا، ن پتر کمزور لوگ دینے کی کرتے ہیں اور بہادر جو ہوتا ہے وہ جان د نہیں جان لینے کی بات کرتا ہے۔'' چھت قہقہہ لگا کر بیٹے کی کم عقلی پر گویا طنز کیا تھا۔

''بابا سائیں! میں جان دینے اور لینے سے گریز نہیں کروں گا، آپ یہ بتایے آپ میرا رشتہ لے کر جا رہے ہیں یا نہیں اسے مذاق اڑاتی باپ کی ہنسی بری تو بہت لگی کیا کچھ نہیں تھا۔

''نہیں، ہم اپنے دشمن کے گھر سوالی نہیں جائیں گے، معصومہ دھی تمہاری منگ اسی سے شادی ہو گی۔'' وہ اپنے مخصوص د لہجے میں بولے تھے۔

''بابا سائیں! یہ آپ کی بھول ہے کہ زبردستی میری شادی کسی سے بھی کروا دیں آپ مجھے عاق کر دیں، جان سے مار دیں، سکتے ہیں کر لیں، شادی تو میں افگن شاہ کی سے ہی کروں گا اور یہ فیصلہ سردار شاہنواز شاہ کے بیٹے سانول شاہ کا فیصلہ ہے، مرتے مر جاؤں گا، مگر اپنی بات سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹوں گا۔''

اتنے برسوں میں پہلی دفعہ یوں لگا تھا کہ ان کا بیٹا ان کے مقابل ہو، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ فخر سے چھاتی پھلا کر اس کے اٹل فیصلہ میں اس کے ساتھ دیتے مگر یہاں بات ان کی زبان ان کی غیرت کی آ رہی تھی۔

''دیکھ پتر جسے تو بہت آسان سمجھ رہا ہے وہ ہرگز آسان......''

''یقین نہیں آ رہا کہ یہ بات میرا ۔۔ کہہ رہا ہے، جس نے کبھی کسی بات کسی کام کو ناممکن نہیں سمجھا اور یہ بہادری تو نہیں ہے بابا سائیں!'' دنہایت طنز سے ان کی بات کاٹ گیا تھا، اس نے بہت گہری چوٹ لگائی تھی۔

''بہادری اور بے غیرتی میں فرق ہوتا ہے سانول شاہ۔'' خونخوار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ٹھیک کہا آپ نے بابا سائیں! اور یہ بات میری غیرت گوارہ نہیں کر سکتی کہ جس لڑکی کی ۔ی بنانے کا میں نے سانول شاہ نے سوچا، وہ کسی اور کی بیوی بن جائے، میرے اندر اتنی طاقت ہے کہ میں اپنی خواہش پوری کر سکوں، مرد ،دں بابا سائیں مرد اور مرد جس کو نگاہ سے دل میں اتارتا ہے وہ اسے کسی اور کا نہیں ہونے دیتا اور میں نامردی کا طوق گلے میں سجانے سے کہیں یادہ بہتر اپنی مردانگی ثابت کرنے کو ترجیح دوں گا، آپ سیدھے طریقے سے رشتہ لے جائیں، نا ۔ظور ہو گیا تو ٹیڑھے طریقے بھی مجھے آتے ہیں، ۔ے صرف اپنے فیصلہ سے پیچھے ہٹنا نہیں آتا اور سب آپ کو اس لئے کہہ رہا ہوں کہ افگن شاہ ۔ے آپ کی پرانی دشمنی ہے اور اس وقت دشمنی ختم کر کے امن و دوستی بھی قائم کی جا سکتی ہے اور ۔نی کو جلا بھی بخشی جا سکتی ہے اور میں آپ کو اتنا تو سمجھدار سمجھتا ہوں کہ آپ موقع کبھی نہیں چھوڑتے تو یہ تو آپ کی بڑائی ثابت کرنے کا موقع ہو گا، ٹھیک ویسے ہی جیسے دشمن پر وار کرنے کا یہ بہترین موقع ہے، جس سے فائدہ اٹھانے کی آپ ایک کوشش بھی کر چکے ہیں، مگر برا ہو قسمت کا جو عین وقت پر دغا دے گئی۔'' اس نے سرد لہجے میں طنز کے تیر چھوڑے تھے اور وہ بے طرح چونکے تھے۔

''ایسے مت دیکھیں بابا سائیں! میں آپ کا ہی بیٹا ہوں، میری رگوں میں خون آپ کا ہی دوڑ رہا ہے، آپ اگر میرے ایک ایک پل کی خبر رکھتے ہیں تو میں بھی آپ لوگوں سے اتنا بے خبر نہیں رہتا۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا باپ کا سکون لے اڑا تھا۔

''محسن نے میرے منع کرنے کے باوجود یہ سب آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا، اسی لئے آپ کا اطمینان قابل دید تھا، مگر آپ نے مجھ سے کوئی سوال جواب نہیں کیا بلکہ مجھے وہاں جانے کا موقع دیا تا کہ میں افگن شاہ کی بیٹی سے بات کرتا اور آپ افگن شاہ کی عزت سر عام نیلام کر سکتے مگر افگن شاہ کی بیٹی مجھ میں انوالو نہیں تھی بابا سائیں جو وہ مجھ سے ملنے آتی اور اس کے نہ آنے سے آپ کے منصوبہ پر پانی پھر گیا اور اس دن کے بعد بھی آپ نے مجھے نہیں روکا، یہ سب مجھے کیسے پتہ چلا تو بابا سائیں جو میرا پیچھا کر رہے تھے وہ آپ کے نمک خوار تھے لیکن میری آنکھیں بھی دیکھتی ہیں۔'' اس نے تو باپ کی بولتی ہی بند کر دی تھی۔

''فیصلہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے بابا سائیں، دشمنی یا دشمنی کا خاتمہ۔'' وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح لوٹ گیا تھا مگر سوچوں کے کتنے در ان کے لئے وا کر گیا تھا اور وہ جتنا سوچ رہے تھے الجھتے جا رہے تھے، اس الجھن سے نکلنے کا حل لیکن انہیں خود نکالنا تھا۔

☆☆☆

''سکینہ! آپ سے ہمیں کچھ پوچھنا ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہماری باتوں کا سچائی سے جواب دیں گی۔'' سکینہ بری طرح الجھ گئی تھی۔

''حکم سائیں!'' افگن شاہ نے طریقے سے بات اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

''بی بی سائیں! ندی پر نہیں جا رہیں، اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟''

''نہیں، سائیں! اگر ہے بھی تو مجھے......''

''سکینہ ہم نے بات کرنے سے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ نے سچ بولنا ہے، سچ نہیں کہہ سکتیں تو جھوٹ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ یہاں سے جا سکتی ہیں۔'' ان کے سختی سے کہنے پر وہ شرمندہ ہو گئی تھی اور اس نے دھیمے دھیمے اس اجنبی سے اچانک ہونے والی دوسری ملاقات کے ساتھ، عائشہ کی گفتگو بھی سردار افگن شاہ کے گوش گزار کر دی تھی۔

''آپ اس اجنبی لڑکے کے بارے میں کچھ جانتی ہیں کہ وہ کون ہے؟ اور ہمارے گاؤں کا ہے یا کسی دوسرے گاؤں سے اس کا تعلق ہے۔'' ساری تفصیل سن کر سنجیدگی سے استفسار ہوا تھا۔

''سائیں! وہ دشمنوں کا بیٹا ہے، سردار شاہنواز شاہ کا بیٹا سانول شاہ جو حال میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لندن سے لوٹا ہے۔'' وہ کچھ اور انداز سے کہہ رہی تھی مگر اسے یکدم احساس ہوا تھا کہ سامنے افگن شاہ ہیں جو غیر ضروری بات سخت ناپسند کرتے ہیں، یہ خیال آتے ہی وہ خاموش ہو گئی تھی اور انہوں نے اسے جانے کا کہہ دیا تھا، سردار شاہنواز اچھی سوچ کے حامل تھے، انہوں نے کبھی ملازموں کو غریبوں کو حقیر نہیں سمجھا تھا، ملازموں کے ساتھ وہ ہمیشہ اچھے طریقے سے ہی پیش آتے تھے، کوئی سائل ان کے در سے بے مراد نہیں لوٹتا تھا، وہ عام جاگیرداروں سے یکسر مختلف تھے، پڑھے لکھے باشعور انسان تھے، انسانیت سے نابلد نہیں تھے، ایک بہت بڑا گاؤں جہاں کسی زمانے میں ایک شخص کی حکمرانی قائم تھی، آپسی ناچاقیوں اور حکومت کرنے کی چاہ میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی تھی، باقاعدہ جنگ ہوئی تھی اور ایک گاؤں تین چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا، یہ آج سے صدیوں پرانی بات تھی، تینوں کے درمیان نسلی دشمنی تھی، وقت کے ساتھ دو گاؤں آپس میں شیر و شکر ہو گئے تھے مگر سردار وہی تھے اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب افگن شاہ کے دادا حیات تھے اور وہ گاؤں کے سردار تھے، انہوں نے دونوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا جسے شاہنواز شاہ کے دادا نے ٹھکرا دیا تھا اور مہابت خان کے دادا نے اس بڑھے ہوئے ہاتھ تھام لیا تھا اور دوستی کو مضبوط کرنے کے لئے اپنی پوتی کا رشتہ افگن شاہ سے طے کر دیا تھا اس وقت افگن شاہ اٹھارہ برس کے جبکہ رفیعہ خان دس برس کی تھیں اور جب سولہ برس کی ہوئی تھیں تو رخصت ہو کر افگن شاہ کی حویلی میں آ گئیں تھیں اور ان کے آپس بڑھتے میل جول کو دیکھتے ہوئے شاہنواز شاہ کے دادا نے بھی چند سال بعد خود سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا، جسے دونوں خاندانوں نے قبول کر لیا تھا، لیکن چند سال بعد ہی پھر جھگڑا ہو گیا تھا، بات معمولی تھی جسے بہت بڑھا دیا گیا تھا، اس کے بعد شاہنواز شاہ کا تعلق مہابت خان کے خاندان سے تو جڑا رہا مگر شاہنواز شاہ اور افگن شاہ کے لئے جب وہ صرف آٹھ ماہ کا تھا، شاہنواز شاہ کے دادا نے آگے بڑھ کر اپنی پوتی کا رشتہ ڈالا تھا جس سے افگن شاہ کے دادا نے انکار کر دیا تھا اور کیونکہ اول تو وہ اتنی کم عمری میں پوتے کا رشتہ طے کرنا نہیں چاہتے تھے، دوم جس پوتی کے لئے بات کی تھی وہ چار سال کی تھی اور یہ بے جوڑ رشتہ ہی ثابت ہوتا، مگر انکار کو انا کا مسئلہ بنا لیا گیا اور پھر سے د

ں، وہ تو دوستی بھی کرنا نہیں چاہتے تھے ایسا ۔۔۔ اس لئے کیا تھا کہ دو سردار آپس میں رشتہ ۔۔۔ ہو گئے تھے اس سے ان کی حیثیت کمزور ہو سکتی ۔۔۔، ان کے مفادات پر وہ دونوں مل کر کاری ۔۔۔ لگا سکتے تھے، بس اس سب سے بچنے کے ۔۔۔ امن قائم ہوا تھا جو جز وقتی ثابت ہوا لیکن اس ۔۔۔ مہابت خان سے انہوں نے تعلقات کبھی ۔۔۔ نہیں ہونے دیئے اور افگن شاہ سے ۔۔۔ تعلقات جوڑنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی، جبکہ ۔۔۔ وفات کے بعد افگن شاہ کے والد اور ۔۔۔ افگن شاہ نے بھی ۔۔۔ تعلقات جوڑنے کے لئے ۔۔۔ بر ۔۔۔ بقیہ مشورہ ۔۔۔ مشورہ بالا رکھا گیا، یک ۔۔۔ تو ایسا ۔۔۔ افگن شاہ ۔۔۔ اس پر سوچا تھا ۔۔۔ ن جب ۔۔۔ بہت دیر ہو چکی تھی، افگن شاہ نے ۔۔۔ کو دل ۔۔۔ بنا کر اپنی خواہش کا ۔۔۔ سے ۔۔۔ کر تھا ۔۔۔ نہوں نے بیٹے کی خوشی کو دنیا ۔۔۔ چیز پر فوقیت دی تھی، سکینہ تو مرے سے ۔۔۔ جا چکی ۔۔۔ اور وہ ماضی ۔۔۔ کھوتے بہت دور تک جا نکلے ۔۔۔ کی آمد ۔۔۔ میں ۔۔۔ لوٹے تھے۔

''آپ نے ہم سے کوئی بات کرنی ہے؟'' وہ کچھ دیر پہلے ہی میکے سے لوٹیں تھیں، انہیں کشمکش میں دیکھ اپنائیت سے پوچھا تھا۔

''سائیں! بات تو کرنی ہے، ہم بھی بہت ہے، مگر کہتے ہوئے جھجک رہے ہیں۔'' الجھن ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

''ایسی کیا بات ہے جو آپ بلا جھجک نہیں کر سکتیں؟ ہم نے آپ کو اتنا مان و بھروسہ تو کم از کم دیا ہی ہے کہ آپ ہم سے اپنے دل کی ہر بات بلا جھجک کہہ سکیں۔'' وہ نرمی جو خاص ان کے لئے مخصوص تھی، وہی ان کے لہجے میں در آئی تھی اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

''سائیں! آپ نے ہمیں مان بھروسہ: وہ سب دیا جو ہم نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، بات ہماری ہوتی تو ہم اب تک آپ سے کہہ چکے ہوتے۔''

''رفیعہ! جو بھی بات ہے کہہ دیجئے۔'' ہاتھ تھام کر تسلی دی تھی۔

''آپ ناراض نہیں ہوئیے گا۔'' وہ اب کے ہنس دیئے تھے اور وہ بہت سنبھل کر دھیرے دھیرے کہنے لگی تھیں۔

''ادا سائیں! مزمل پتر کا رشتہ عائشہ بیٹا کے لئے لے کر آنا چاہتے ہیں۔'' اپنی بات کا اثر ان کے چہرے پر دیکھنا چاہا تھا مگر وہ ان کے بے تاثر چہرے سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکی تھیں، دروازے پر دستک ہوئی تھی اور انہوں نے مسہری سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

''سائیں! چھوٹے سائیں! آپ کو مردان خانے میں یاد فرما رہے ہیں۔'' بنفشہ نے آنے کا مقصد بتایا تھا۔

''ہم آپ کی بات کا سوچ کر جواب دیں گے، ابھی آپ ان سے کچھ مت کہیے گا۔'' پیر میں جوتے پہنے کندھوں پر شال پھیلائی تھی اور ان کے قریب سے گزر گئے تھے۔

''سلام بابا سائیں!'' وہ باپ کو دیکھ کر احترام میں کھڑے ہو گئے تھے۔

''سب خیریت تو ہے ماہن شاہ؟'' اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا اور ماہن شاہ نے ایک لفافہ باپ کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''یہ لفافہ کون دے گیا ہے؟ اور کیا ہے اس میں؟'' جواب تک ماہن شاہ کے ہاتھ میں تھا جو ایک بند لفافے میں بند تھا۔

''بابا سائیں! یہ خط سردار شاہنواز شاہ کا آدمی دے گیا ہے۔'' وہ بیٹھے سے کھڑے ہو گئے تھے۔

''آپ کو یقین ہے کہ وہ شاہنواز شاہ کا ہی آدمی تھا۔''

''بابا سائیں! ہمیں نہ صرف یقین ہے بلکہ

آنے والے نے ہم سے کہا تھا کہ وہ شاہنواز شاہ کا پیغام لے کر آیا ہے اور اس نے یہ لفافہ ہمیں دیا اور کہا کہ وہ تین دن بعد اس کا جواب لینے آئے گا۔" یا ہن شاہ نے اس کے اطمینان کے لئے ساری تفصیل بتائی تھی، وہ بیٹھ گئے تھے اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے لفافہ چاک کرنے کا کہا تھا، لفافے میں سے ایک کاغذ برآمد ہوا تھا اور وہ باپ کی رضا سے خط کے مندرجات پڑھنے لگے تھے۔

"سلام! افگن شاہ! ہم تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ امن کے اس پیغام کو تم کھلے دل سے خوش آمدید کہو گے، سردار شاہنواز شاہ۔" خط فضول طوالت کی بجائے چند سطروں پر ہی مشتمل تھا، ماہن شاہ باپ کو دیکھ رہا تھا۔

"قاصد جا چکا ہے، یا اسے آپ نے ٹھہرایا ہوا ہے؟" اس سوال کی اسے فی الوقت امید نہیں تھی، لیکن جواب دینا بھی ضروری تھا۔

"بابا سائیں! وہ باہر موجود ہے، ہم آپ کی اجازت کے بغیر اسے کیسے بھیج سکتے تھے۔" وہ آہستگی سے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے خدا بخش کو آواز لگائی تھی۔

"خدا بخش باہر موجود مہمان کی اچھے سے آؤ بھگت کریں۔" خدا بخش کو ہدایت دے کر انہوں نے ماہن شاہ کو کاغذ قلم لانے کو کہا تھا جو وہیں موجود تھے اور وہ ان کے کہے پر عمل کرتے ہوئے کاغذ پر قلم چلانے لگے تھے، وہ خط کے مندرجات لکھوا چکے تو اسے طے کر کے لفافے میں بند کر کے قاصد تک پہنچانے کا حکم دیتے وہ شاہنواز شاہ کا خط لئے مردان خانے سے نکل گئے تھے اور ماہن شاہ ایک گہری سانس کھینچتے کچھ پوچھنے کی خواہش لبوں پر ہی دبا گئے تھے، کیونکہ وہ باپ کے تیور بھانپ گئے تھے کہ وہ فی الحال نہ کچھ انہیں بتائیں گے نہ ہی ان کی کچھ بھی سنیں گے، جبکہ وہ شاہنواز شاہ کے خط پر حیران تھے تو باپ کی عجلت پر حیرانگی دو چند ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"وسلام! سردار شاہنواز شاہ! ہم دل سے آپ کے مشکور ہیں کہ آپ نے ہمیں دوستی کے قابل جانا، امن تو ہم بھی چاہتے ہیں اور آپ کی پیش کش کو قبول کرنے میں ہمیں ذرا بھی انکار نہیں ہے، عزیز من لیکن آپ نے یہ واضح نہیں کیا کہ دوستی مشروط بنیادوں پر استوار ہو گی یا غیر مشروط؟ سردار افگن شاہ۔"

دلنواز شاہ اور وہ خود اس وقت مردان خانے میں موجود تھے، قاصد جو خط دے کر جا چکا تھا، جسے شاہنواز شاہ نے با آواز بلند پڑھ کر تپائی پر رکھ دیا تھا اور گہری سوچ میں تھے کہ دلنواز شاہ کی آواز سوچ کے تسلسل کو منتشر کر گئی تھیں۔

"ادا سائیں! میں آپ کی ان کوششوں کو سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ آخر کیوں یکدم ہی افگن شاہ سے دوستی کے خواہ ہو گئے ہیں۔" انہوں نے مختصراً سانول شاہ کے ارادے ان کے گوش گزار کر دیے تھے۔

"ادا دلنواز ہم نے اپنے فائدے میں جانے والا موقع کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔"

"ادا سائیں! یہ موقع کس کام کا جس میں خود ہمیں جھکنا پڑے۔"

"تو کم عقل ہے ادا دلنواز! دوستی کا ہاتھ بڑھانے والا ہمیشہ اونچائی پر رہتا ہے (وہ یہ جان کر بھی ہمیشہ ایسی کسی کوشش سے دور ہے اور افگن شاہ کی ہر کوشش بھی ناکام بنا دی تھی وہ ٹھیک ہی خود کو موقع پرست کہہ رہے تھے) اور ہماری بڑائی تو ثابت ہو چکی، جھکنا تو افگن شاہ کو پڑے گا۔" ان کے سانولے چہرے پر مکروہ سازش کا جال بنا صاف نظر آ رہا تھا۔

"ہم افگن شاہ کو اتنا بے وقوف نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ہمارے ایک چھوٹے سے پیغام کو فوراً ہی پذیرائی دے گا۔"

"ادا سائیں! وہ کیوں نہیں دیتا، اس کے باپ دادا اور وہ خود بھی تو کوشش کر چکا ہے اور اب تو وہ بات بھی نہیں رہی جس کی بنیاد پر دوستی کا مسئلہ کھٹائی میں پڑا ہوا تھا، زینت دھی بھی جو بیاہی گئی اور ماہن شاہ کی بھی شادی ہو چکی، افگن شاہ اپنی ضد بھی پوری کر کے رہا اور دوستی قبول کر کے اس کی خواہش بھی پور ہو جائے گی اور اس کی دریا دلی۔"

"اوئے چپ کر جا، تجھ میں اپنی بیوی کی خاصیت آتی جا رہی ہے، بولنا شروع ہوتا ہے تو نہ عقل سے کام لیتا ہے، نہ سانس لیتا ہے۔" دلنواز شاہ شرمندہ ہو کر چپ کر گیا تھا۔

"دلنواز! یہ قدم سوچے سمجھے نہیں اٹھایا، شرط تو اب بھی ہماری وہی ہے، فرق بس اتنا ہے کہ پہلے ہم بیٹی دے رہے تھے، اب بیٹی لیں، پہلے ہم جھک رہے تھے، اب وہ جھکے گا، بلکہ مرتے دم تک جھک کر رہے گا، یہ سمجھ لے دلنواز کہ ہم ایک تیر سے دو نشانے لگائیں گے، دوستی کا ہاتھ بڑھا کر ہم نے اپنی بڑائی ثابت کی ہے اور ایسا کر کے بیٹے کے دل میں بھی اپنا مقام بلند کر لیا ہے، وہ اب کم از کم باپ کے خلاف نہیں جائے گا۔"

"ادا سائیں! اگر اس نے آپ کی شرط ماننے سے انکار کر دیا۔"

"شرط رکھیں گے کب، جو ماننے اور نہ ماننے کا سوال پیدا ہو گا، میں صحیح کہتا ہوں عقل نام کی کوئی چیز اب تیرے پاس نہیں رہ گئی، دماغ کو چلایا کر دلنواز۔" وہ اس کی انسلٹ کر رہے تھے اور وہ برداشت کرنے خاموش رہنے پر مجبور تھے۔

"دوستی غیر مشروط بنیادوں پر استوار کریں گے اور جھک کر چند ماہ بعد اس کی بیٹی کو اپنے پتر کے لئے مانگیں گے، ہمارا دشمن تو وہ ہے، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ وہ ایک اچھی نسبت کا کھرا شخص ہے، برے کو برائی سے اور اچھے کو اچھائی سے مارو اور اسے جھکانے کو ہم اچھا بن کر اس سے ملیں گے، ہم اپنے باپ دادا کی بے عزتی بھولے نہیں ہیں، ہماری انا آج بھی بلبلا رہی ہے کہ اس نے ہمارے دادا کے فیصلہ کی لاج نہیں رکھی تھی، دوستی اس کے خاندان سے ہمیں نہ کل کرنی تھی نہ آج کرنی ہے، ہمارا پتر ایسا چاہتا ہے اور ہمیں افگن شاہ کو جھکانے کا موقع مل رہا ہے، ہمارا پتر جوان ہے جوش میں کچھ ایسا کر بیٹھا کہ ہمیں جھکنا پڑے، اس لئے ہم پہلے سے ہی ساری بساط اپنی مرضی کے مہروں کی بچھا لینا چاہتے ہیں۔" ان کے دماغ میں کتنی ہی سازشیں تسلسل سے چل رہی تھیں کہ کون سی چال کب اور کیسے چلنی ہے، اس بات تک کا وہ لائحہ عمل تیار کر چکے تھے۔

"ادا سائیں! اگر اس نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو؟" وہ اب بھی الجھن کا شکار تھے، چالباز اور موقع پرست تو وہ بھی تھے لیکن ان کی ساری خوبیاں خامیاں شاہنواز شاہ کے سامنے ماند پڑ جاتی تھیں، کیونکہ وہ خود کو عقل کل سمجھتے تھے اور جو فیصلہ کر لیتے تھے اس سے ہٹتے نہیں تھے، انہوں نے کبھی کسی کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ بھائی سے دب کر رہتے تھے، ایک تو ان کی شخصیت بارعب تھی، دوسرا یہ کہ وہ بھائی کے احترام میں بھی چپ کر جاتے تھے۔

"انکار کر سکتا ہے، مگر کرے گا نہیں اور مہابت خان کی دوستی کب کام آئے گی، اتنے برسوں سے نفرت کی آگ دل میں لئے اس سے ہنس ہنس کر ایسے ہی تو نہیں ملے، ان کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا اور وہ انہیں ڈھیرے ڈھیرے اپنے تیار کردہ لائحہ عمل سے آگاہی دینے کے بعد انہیں جانے کا حکم دیتے سانول شاہ کو بھیجنے کا کہہ کر اس کا انتظار کرنے لگے تھے، وہ

میٹرک پاس تھے، لکھنا پڑھنا جانتے تھے مگر سانول شاہ کی تسلی کے لئے انہوں نے خط اسی سے لکھوایا تھا اور دوسرا جوابی خط بھی اسی سے لکھوانا تھا، وہ کوئی بھی کام ادھورا اور کچا نہیں کرنا چاہتے تھے، سانول شاہ خط لکھتے ہوئے بے حد خوش تھا ور افگن شاہ کی اعلیٰ سوچ کا معترف بھی اور وہ اسے بتاتے جارہے تھے اور وہ جسے کاغذ پر اتارتا جارہا۔

☆☆☆

''بابا سائیں! آپ کے فیصلے کے خلاف کچھ بھی بولنے کی [illegible] پ سے پیشگی معذرت چاہتے ہیں کیونکہ ہم یہ سب کہنے پر مجبور ہیں کہ ہمیں آپ کے فیصلے پر اعتراض ہے۔''

''جانتے ہیں اور اول روز سے ہم اسے محسوس بھی کررہے ہیں، ہوسکتا ہے آپ کو ہمارا فیصلہ [illegible] جو قطعاً برا لگ رہا ہے وقت کے ساتھ [illegible]س میں بہتری نظر آئے گی۔'' وہ ماہن شاہ کی بات قطع کر کے نرمی سے ہلکی سی مسکرا [illegible] ساتھ بولے تھے

''بابا سائیں! آ[illegible] درست کہہ رہے [illegible] لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرلیں، سردار شاہنواز شاہ ہرگز بھی بھروسے کے لائق نہیں ہیں، انہوں نے کہہ دیا کہ دوستی غیر [illegible] مشروط بنیاد پر ہو گی، یہ بات ہم مان ہی نہیں سکتے، کوئی نہ کوئی مفاد ضرور جڑا ہے، ورنہ وہ پہل بھی نہ [illegible]تے۔'' ماہن شاہ کو شاہنواز کا اقدام بے مقصد نہیں لگ رہا تھا۔

''جانتے ہیں ہم کو شاہنواز شاہ نے دوستی کا ہاتھ ایسے ہی نہیں بڑھایا، مگر ہمارے نزدیک وجوہات مفاد اور نقصانات سے بڑھ کر کوئی چیز ہے تو وہ ہے امن اور ہم امن قائم کرنا چاہتے ہیں، دشمن بن کر رہنے سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ خدا ناراض ہوتا ہے اور ہم نے فضول کے واہمات میں پڑھ کر شاہنواز شاہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ

ٹھکرا دیئے تو، یہ دشمنی نہ جانے کتنی نسلوں تک بڑھے، شاہنواز شاہ زیادہ سے زیادہ ہم سے دھن دولت، زمین جائیداد ہی تو طلب کریں گے۔''

''بابا سائیں! وہ اپنی سابقہ شرط بھی تو رکھ سکتے ہیں۔''

''بے وقوفی کی بات کی ہے آپ نے ماہن شاہ، آپ بھی شادی شدہ ہیں اور خیر سے اس بچی کی بھی شادی ہوگئی ہوں۔''

''[illegible] سائیں! آ[illegible] جو مناسب سمجھیں وہ کریں، مگر ہمیں لگتا ہے کہ [illegible] آستین میں سانپ [illegible]لنے [illegible]، [illegible] شاہنواز شاہ بھی کسی کے نہیں ہوئے، امن کی [illegible] آپ [illegible] کے مکروہ عزائم سمجھ نہیں [illegible] رہے [illegible] کر رہے ہیں، لیکن ہم وہ [illegible]گے جواب [illegible] آپ کے فیصلہ [illegible] سر جھکا [illegible] لیکن با[illegible] سی صرف [illegible] ہی [illegible] ہے، ا[illegible] کی میں بد[illegible] کی وہ بات ضرور نظر کریں گے اور۔''

[illegible] بہتر سمجھتے [illegible] ماہن شاہ [illegible] ا[illegible] [illegible] بڑھانے کی ضرورت [illegible] ہے، جہاں تک بات آستین [illegible] سانپ پالنے کی ہے، شاہنواز شاہ کے دشمنی کے [illegible] میں دیکھ چکے ہیں، دوستی بھی کر دیکھتے ہیں، ہوسکتا ہے ہماری نیک نیتی ان پر اثر کر جائے، رہ گئی بات دوستی کی رشتہ داری میں بدلنے کی، وقت آنے پر ہی ہم کوئی فیصلہ کریں گے، بس ابھی ہماری یہی کوشش ہے کہ نسلی دشمنی ختم ہو جائے۔'' وہ بیٹے کے خدشات بھی سمجھ رہے تھے اور انہیں شاہنواز شاہ سے اچھے کی امید بھی نہیں تھی، پھر بھی وہ ایسا کر رہے تھے تو صرف رب سائیں کے بھروسے پر، خط کا جواب بھلے ہی انہوں نے عجلت میں دیا تھا، مگر وہ استخارہ کر چکے تھے، اسی لئے وہ بہت مطمئن تھے اور جب وہ رب کی رضا پر سر جھکا رہے تھے تو کیوں نہ مطمئن ہوتے، وہ اپنا نفع نقصان نہیں دیکھ رہے تھے، لیکن ماہن شاہ کو اس سب میں

سوائے خسارے کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، باپ سے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بات کی تھی، مگر ان کو اطمینان قابل دید تھا اور وہ اسے الجھن سے نکالنے کے لئے رب کی رضا میں راضی ہوجانے کا مشورہ دیتے، اسے بہت کچھ سمجھاتے اٹھ گئے تھے اور وہ بھی تھا تو انہی کا بیٹا، کچھ نہ کچھ مطمئن ہو ہی گیا تھا اور باپ کے حکم پر اس نے قاصد کو شاہنواز شاہ کی حویلی روانہ کردیا تھا مگر اس نے دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ اس نے آنکھیں کھلی رکھنی ہیں جب تک اعتماد حاصل نہیں ہو جاتا۔

☆☆☆

شاہنواز شاہ نے زبردست دعوت وطعام کا انتظام کیا تھا، مہابت خان کی پوری فیملی اور افگن شاہ کی بھی پوری فیملی مدعو تھی، حویلی کے زنان خانے میں عورتوں کے لئے خاص انتظام کیا گیا تھا، مہابت خان کی حویلی کی عورتیں پہلے بھی آتی رہی تھیں، اس وقت بھی تقریباً ساری ہی خواتین موجود تھیں مگر افگن شاہ کی طرف سے مصلحت کے تحت صرف رفیعہ شاہ آئی تھیں، حویلی کی عورتیں اس سب پر حیران تھیں مگر شاہنواز شاہ نے نہ کچھ بتایا تھا نہ ارادہ تھا اور ان سب کو حکم کی تعمیل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، شاہنواز شاہ کے سامنے تو ان کی بوڑھی ماں کچھ نہیں کہتی تھیں بیوی اور دوسری عورتیں کیا چیز ہیں، شاہنواز علاقائی فوک گیتوں پر علاقائی رقص نے محفل پر سماں باندھ دیا تھا، اتفاق سے سانول شاہ شہر سے آیا تھا تو متحیر رہ گیا تھا اور اس کی حیرت شاہنواز شاہ کے تعارف کروانے پر دوچند ہوگئی تھی، ماہن شاہ کو اس نے دیکھا نہیں تھا وہ اپنے ماموں کے بیٹے مزمل سے [illegible] رہے میں مگن تھا۔

''سر[illegible]ار! اس سے [illegible]و [illegible] یہ میرا بیٹا سانول شاہ، لندن سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آیا ہے۔'' سانول شاہ کا تعارف کرواتے ہوئے ایک فخر سا ان کے لہجے وانداز میں نہاں تھا، سانول شاہ

نے افگن شاہ کو دیکھا تھا وہ انداز واطوار سے ہی شاہ نسلی کا اعلیٰ نمونہ لگ رہے تھے، ایک تمکنت تھی ان کی شخصیت میں، مصافحہ کر کے وہ بغل گیر ہوئے تھے، ماہن شاہ سے تعارف کے مراحل طے ہوئے تھے، سانول شاہ اندر ہی اندر اس سب کو اپنی حویلی میں دیکھ کر بہت خوش تھا، شاہنواز شاہ نے اسے آنے کو کہا تھا مگر شہر میں مصروفیت ایسی رہی کہ وہ انکار کر گیا تھا مگر صبح محسن شاہ نے فون کر کے کہا کہ وہ فرصت نکالے اور جس طرح بھی پہنچ سکے گاؤں وہ ادھورے کام چھوڑ کر آیا تھا، اسے یہ سب پتہ ہوتا تو وہ ہر کام چھوڑ کر آجاتا اور وہ اس وقت سفر کی تھکن بھلائے، ماہن شاہ سے بات کر رہا تھا، ماہن شاہ کو یہ شائستہ تہذیب یافتہ شخص کافی بھلا لگا تھا، قہوہ کے دور کے بعد شراب کی محفل لگی، شاہنواز شاہ نے کانچ کے بلوریں گلاس میں شام کا پہلا جام اپنی دوستی کے [illegible]م کرتے ہوئے افگن شاہ کی طرف بڑھایا تھا۔

''ہم معذرت چاہتے ہیں سردار شاہنواز شاہ ہم نہیں پیتے۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا اور شاہنواز شاہ نے ساری خرافات وہاں سے اٹھوادی تھیں۔

''یار شاہنواز پیتے ادا افگن نہیں ہیں اور محروم اس نعمت سے ہمیں کر دیا گیا ہے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔'' مہابت خان کے قہقہہ لگاتے ہوئے اپنے ذریں خیالات سے آگاہ کیا تھا۔

''تم کہو گے تو یہ نعمت تمہارے ساتھ کر دی جائے گی، مگر ابھی [illegible] کے لئے معذرت، مہمان خصوصی کی [illegible] تا [illegible] کا خیا[illegible] ر[illegible] پر مجبور ہو[illegible] [illegible] بلکے پھلکے [illegible] [illegible] تھے۔

''جناب! ہماری طرف سے سب کو اجازت ہے، کیونکہ ہمیں آپ کے منہ سے پیمانہ

چھین کر سب کی نظروں میں گناہگار بنا رہے ہیں۔'' وہ خود نہیں پیتے تھے مگر واقف تھے کہ یہاں کے مردوں کا یہ پسندیدہ مشروب ہے۔

''میں آپ لوگوں سے اجازت چاہوں گا۔'' سانول شاہ اس محفل کے جمنے سے قبل ہی اٹھ گیا تھا اور ان لوگوں نے بھی کچھ دیر بعد اجازت طلب کی تھی ساتھ ہی انہوں نے اگلے جمعہ کو ان کو اپنے ہاں انوائیٹ کیا تھا، پھر جمعہ کے دن دعوت میں شاہنواز شاہ کی حویلی کی تقریباً سب ہی عورتیں آئی تھیں، عائشہ کے ننھیال کی ساری خواتین تھیں، وہ سب کو بہت عرصے بعد ایک ساتھ دیکھ کر بہت خوش تھیں، ان کی ساری کزنز بے حد خوبصورت تھیں، مگر وہ پھر بھی سب میں نمایاں تھیں۔

''تیری دھی بڑی سوہنی ہے۔'' یہ بات رفیعہ سے سانول شاہ کی دادی نے کہی تھی اور وہ جھینپ گئی تھی، اناری رخسار، دہک اٹھے تھے، سیاہ رنگ کے علاقائی کپڑوں میں اس کی گلابی رنگت کھلی جا رہی تھی، کچھ لڑکیاں ایسی بھی تھیں، جو جل بھن کر کباب ہو گئی تھیں اور ان میں ایک معصومہ شاہ بھی تھی جو ملکوتی حسن کی مالک تھی، اپنی تمام کزنز میں سب سے زیادہ حسین، جس کا اسے ادراک خود سے بھی تھا اور ہمیشہ تعریف کے ڈونگرے برسا کر اس احساس کو تقویت دی گئی تھی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس کی جگہ کسی اور کی تعریف کی گئی ہو، سراہا گیا ہو، سانول شاہ کا دل اس کی ایک جھلک دیکھ لینے کو مچلا جا رہا تھا، مگر ایسا ممکن ہی نہ تھا، وہ ان سے قدرے دور بیٹھا تھا، اپنی حویلی میں تو وہ ایسی محفل سے پہلے اٹھ گیا تھا، مگر یہاں رکے رہنا اس کی مجبوری تھی، اسے الگ تھلگ دیکھ ماہن شاہ کو آداب میزبانی یاد آئے تھے اور وہ بلوریں گلاس اٹھائے اس تک آ گئے تھے۔

''معذرت، میں پینے کا شوق نہیں رکھتا۔'' بڑھے ہوئے گلاس کو دیکھ کر نہایت سنجیدگی و نرمی سے کہا تھا، ماہن شاہ کو حیرت ہوئی تھی۔

''آپ اتنا حیران کیوں ہو رہے ہیں، آپ بھی نہیں پیتے۔'' وہ مسکرایا تھا اور اس کی مسکراہٹ بلاشبہ بڑی حسین تھی۔

''سانول شاہ، حیرت صرف اس لئے ہے کہ اس حویلی کا کوئی فرد شراب نہیں پیتا اور آپ کے ہاں تو یہ عام ہے، ایسے میں ہماری حیرت ایسی بے جا بھی نہیں ہے۔''

''آپ نے ٹھیک کہا، بٹ میں نے ساری زندگی حویلی سے باہر گزاری ہے، یہاں کے طور طریقے مجھے سخت ناپسندیدہ ہیں۔''

''ایک آزاد فضا میں رہنے کے باوجود۔''

''ہاہاہا، جی ایک آزاد فضا میں رہنے کے باوجود بھی میں ایسا ہوں، میری کوشش ہوتی ہے کہ ان کاموں سے بچا رہوں، جن کے لئے رب سائیں نے منع کیا ہے، میں کوئی پکا مسلمان نمازی ٹائپ بندہ نہیں ہوں، مگر اتنا ضرور ہے کہ کبھی کبھار نماز پڑھ لی، چند ایک اچھے اور نیک کام کر لئے۔''

''سانول شاہ مسلمان بس مسلمان ہوتا ہے، کچا پکا کچھ نہیں ہوتا آپ کی سوچ کافی مثبت ہے، تھوڑی سی کوشش سے آپ اپنا ہر ایک عمل مثبت بنا سکتے ہیں۔'' ماہن شاہ کو اس سے بات کر کے حقیقتاً بہت اچھا لگا تھا، انہیں یقین نہیں آیا تھا کہ اتنی اچھی سوچ کا حامل شخص شاہنواز شاہ کا بیٹا ہے، مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ سانول شاہ نے ہر ایک اچھائی اور مثبت سوچ اپنی ماں سے ورثے میں لی تھی، سانول شاہ کی ماں نصرت بی بی، گاؤں کے مسجد کے امام کی حافظ قرآن بیٹی تھیں، اتفاقی طور پر شاہنواز شاہ نے انہیں دیکھا اور پھر ضد کر کے ان سے نکاح کیا تھا مگر ان کو حویلی میں جگہ نہیں مل سکی تھی، شاہنواز شاہ کی پہلی بیوی نادرہ نے اور حویلی کی دیگر عورتوں نے بھی کبھی نصرت بی بی کو عزت و احترام اور ان کا جائز مقام نہ دیا اور ظلموں کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، نصرت بی بی نے یہ سب شوہر سے کبھی کہا نہیں اور خود سے انہوں نے کچھ محسوس نہ کیا، نصرت بی بی نے سانول کو جنم دے کر دنیا سے منہ موڑ لیا تھا، جہاں حویلی کی عورتوں نے ان کی موت پر سکون کا سانس لیا تھا، وہیں وہ ان کی اہمیت کو ان کی زندگی میں تو ماننے کو تیار نہ ہوئیں تھیں مگر موت کے بعد ان کی اہمیت کو بھی چیلنج نہیں کر سکی تھیں، کیونکہ شاہنواز شاہ کا نام نصرت بی بی کے بیٹے سے ہی چل رہا تھا، نادرہ سے شاہنواز شاہ کی صرف بیٹیاں تھیں اور ماں کا نیک در پاکیزہ خون ماں کا اعلیٰ کردار، سانول شاہ کے اوپر چھپر چھایہ بنا ہوا تھا وہ برائی کی طرف بڑھنا بھی چاہتا تھا تو کوئی انجانی طاقت اسے روک لیتی تھی ظاہری و باطنی طور پر وہ ایک جیسا تھا اور خامیوں کا گراف نہایت کم تھا اس کی سب سے بڑی خامی اس کی ''میں'' تھی، وہ انسان کو انسان سمجھتا تھا، برتر و کم تر نہیں، مگر جب بات اپنی آتی تھی تو مقابل نہیں دیکھتا تھا کہ کون ہے جو کہہ دیا، جو سوچ لیا بس وہی کرنا ہے، کیونکہ نادرہ اسے ایک ماں کا پیار رقابت کی وجہ سے دے نہیں سکی تھیں، اس کی زیادہ پرورش اس کی دادی نے کی تھی، پھر وہ اٹھارہ برس کی عمر میں لندن چلا گیا تھا اور صحیح معنوں میں اب وہ حویلی میں رہ رہا تھا اور ان کے طور طریقے دیکھ رہا تھا اور اسے عجیب سی الجھن ہوتی تھی، حویلی کے ہر فرد سانول شاہ سے [illegible] رہتا تھا، محسن شاہ بھی نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے دب کر رہتا تھا جبکہ دونوں نے بہت سا وقت ساتھ گزارہ تھا، مگر وہ محسن کو بھی لمحوں میں بے [illegible] رکھ دیتا تھا، جہاں صرف لوگ سر [illegible] ہوں وہاں [illegible] میں تکلف تو لگ ہی جاتا ہے [illegible] بھی فخر [illegible] سے تنی رہتی تھی۔

ماہن شاہ اب اس سے اس کی تعلیم کے متعلق پوچھ رہے تھے اور وہ اس سے کافی متاثر ہوئے تھے، سانول شاہ نے کبھی اپنے منہ سے اپنی تعریف نہ کی تھی، مگر وہ آج ماہن شاہ کو اس طرح کی باتیں بتا رہا تھا تاکہ وہ اس کی شخصیت سے مرعوب ہو جائیں، کیونکہ وہ اپنے دل کی خواہش کو جلد سے جلد پوری کرنا چاہتا تھا اور جب یہ بات چلتی تو وہ اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتے، اس میں کچھ خوبیاں پیدائشی تھیں اور ماہن شاہ اتنے تو اتنے زیرک نگاہ تھے کہ وہ سچ جھوٹ اور اصل نقل کی پہچان کر سکیں اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کھلے دل سے بعد میں سانول شاہ کی باپ سے تعریف کی تھی اور یہ سب تو خود انہوں نے بھی محسوس کیا تھا، سانول شاہ اس حویلی کا حقیقتاً ہیرا تھا۔

☆☆☆

''سائیں! ہم نے عائشہ کے سلسلے میں آپ سے کوئی بات کی تھی آپ نے جواب نہیں دیا۔''

''مزمل! ہمیں اس لحاظ سے پسند نہیں ہے، مگر ہم مناسب نہیں سمجھ رہے، اس لئے ہم نے خاموش رہنے کو بہتر سمجھا ہے۔'' وہ ریلیکس انداز میں لیٹ گئے تھے۔

''سائیں! مگر اس طرح لٹکا کر رکھنا بھی تو مناسب......''

''ہم نے خاموشی کو سوچ سمجھ کر اپنایا ہے، انکار کو انا کا مسئلہ بنایا جا سکتا ہے اور رشتوں میں دوری آ سکتی ہے، مگر ہم کسی کی ناراضگی کے ڈر سے کوئی غلط فیصلہ نہیں لے سکتے مزمل، کم تعلیم اخلاقی برائیوں سے مزین ہیں اور ہم اپنی بیٹی کی شادی اعلیٰ کردار کے شخص سے کریں گے، [illegible] وہ ہمارے ہم پلہ نہ ہو، ہم اپنی حشمت و جاہ جلال کے لئے اپنی بیٹی کو قربان نہیں [illegible] وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے دھیمے [illegible] لیک لہجے میں بول رہے تھے۔

''اگر آپ کو خاموشی مناسب نہیں لگ رہی ہے تو آپ ہمارا صاف انکار ادا مہابت تک پہنچا دیں، خاموش رہیں یا کہیں، ہوگا انکار ہی، وہ آپ کے بھائی ہیں، ہم سے بہتر انہیں آپ سمجھتی ہیں اور سمجھا سکتی ہیں، رات بہت ہو گئی ہے، ہم سونے لگے ہیں، آپ بھی سو جائیں۔'' لیمپ بجھایا تھا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئے تھے اور وہ بھی الجھی سی ان کے پہلو میں دراز ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

''اماں سائیں! آپ اجازت دیں تو ہم کچھ دنوں کے لئے اپنے میکے چلے جائیں۔'' اس وقت بیٹھک میں وہ دونوں ہی تھیں، عائشہ کے امتحانوں میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا تھا اس لئے وہ زور و شور سے تیاری میں لگی ہوئی تھی، اس وقت بھی آپا آئی ہوئی تھیں، آپا گاؤں کے اکلوتے اسکول کی استانی تھیں۔

''ہاں، آپ چلی جائیں، دن بھی تو بہت ہو گئے ہیں، لیکن ماہن شاہ سے ضرور پوچھ لیجئے گا۔''

''اماں سائیں! ہم سائیں سے پوچھ لیں گے، بس آپ کی اور بابا سائیں کی اجازت درکار ہی۔'' وہ خوشی سے بولی تھیں۔

''ہماری دھی کو ہم سے کیسی اجازت چاہیے؟'' وہ اپنے مخصوص انداز میں کھانستے اندر چلے آئے تھے اور ان کی کھنکار کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ شمسہ نے سر سے ڈھلک جانے والی چنری، سر پر ڈال لی تھی اور وہ دونوں کھڑی ہو گئی تھیں اور سلام کیا تھا تب وہ نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے تھے۔

''بابا سائیں! ہم میکے جانے کی اجازت ۔۔۔''

''ہم ماہن ۔۔۔ سے کہہ دیں گے وہ آپ کو ۔۔۔ آئیں گے۔'' وہ بات بھی مکمل نہیں کر پائی تھی کہ وہ بول پڑے تھے، شمسہ ان کی عزت ایک باپ کی طرح کرتی تھیں تو انہوں نے بھی اسے عائشہ کی طرح ہی مان و محبت دی تھی۔

''بہت شکریہ بابا سائیں!''

''صرف زبان سے شکریہ نہیں چلے گا ہماری بیٹی اپنے ہاتھوں سے اپنے بابا کے لئے قہوہ بنا کر لائیں گی۔''

''جی بابا سائیں! کیوں نہیں، ہم ابھی آتے ہیں۔'' وہ جلدی سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔

''ہم بہت خوش نصیب ہیں، رفیعہ، ایسی نیک بہو تو نصیبوں والوں کو ہی ملتی ہے، ہمارے بیٹے کا انتخاب اعلیٰ تھا، ہماری حویلی کی رونق بڑھا دی ہے شمسہ دھی نے۔'' وہ شوہر کی بات تصدیق اثبات میں ہلتے سر اور مسکراہٹ کے ذریعے کر رہی تھیں۔

''اور وہ دونوں شرارتی کہاں ہیں دکھائی نہیں دے رہے اور عائشہ دھی بھی نہیں دکھ رہیں۔''

''نوں بچے پڑھنے لگے ہوئے ہیں، بچے آتے ہی ہوں گے اور عائشہ کو پڑھانے ان کی استانی آئی ہوئی ہیں اس لئے وہ بھی پڑھائی میں مصروف ہیں۔'' وہ آج کے دن، وہ کہہ کر ہی ہوئی تھیں کہ وہ دونوں بستہ لئے چلے آئے تھے اور ادب سے سلام کرتے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے تھے اور اپنے بستے رکھ کر واپس آ گئے تھے، دادی کا لاڈلا ریان دادی کے پاس اور دادا کا لاڈلا عالیان ان کے پاس بیٹھ گیا تھا، حویلی میں کتنے ہی ملازم تھے مگر اپنے ذاتی کاموں کے لئے منٹ منٹ پر ملازموں کو آواز دینے کا یہاں رواج نہ تھا، مگر وہ دونوں عام بچوں کی طرح اسکول اور شام میں ٹیوشن جاتے تھے کوئی خاص پروٹوکول نہیں دیا جاتا تھا اور افگن شاہ کا ۔۔۔ ان دونوں کو بھی غلطی پر ڈانٹ بھی ۔۔۔ ملتی تھی؟ اس سب سے افگن شاہ کا مقصد اتنا ہی کہ ان دونوں کے دل و دماغ میں اپنی برتری کا خیال جگہ نہ بنائے، انسانیت ان کے اندر پنپتی رہے۔

''ہاں بھئی، شہزادے کیسی چل رہی ہے آپ کی پڑھائی؟''

''جی بہت اچھی دادا سائیں! مجھے استاد جی نے آج شاباش بھی دی ہے۔'' عالیان نے فخر سے بتایا تھا، رفیعہ نے خاموش بیٹھے ریان سے بھی وہی سوال پوچھا تھا جو کافی اداس لگ رہا تھا۔

''دادی اماں! ریان کو استاد جی سے ڈانٹ پڑی ہے۔'' اس سے پہلے ہی وہ بول گیا تھا۔

''کیوں ہمارے شہزادے کو ڈانٹ کیوں پڑی۔'' رفیعہ نے اس کے ماتھے پر آئے بال پیچھے ہٹاتے ہوئے پیار سے اس کو دیکھا تھا۔

''سبق یاد نہیں تھا ۔۔۔ تمہارا ۔۔۔''

''وہ ہوں، عالیان آپ سے ہم نے کہا ہے نہ کہ جب آپ سے نہ پوچھا جائے تو آپ درمیان میں نہیں بولا کریں۔'' افگن شاہ نے نرمی سے کہنے پر وہ شرمندگی سے سر جھکا گیا تھا اور انہوں نے ریان کو اپنے پاس بلایا تھا!

''سبق یاد کیوں نہیں کیا تھا آپ نے؟''

''دادا سائیں! ہمیں سندھی اچھی نہیں لگتی، ہم سے یاد بھی نہیں ہوتی، ہمیں سندھی بالکل سمجھ نہیں آتی۔'' وہ نروٹھے پن سے بولا تھا۔

''آپ نے یہ سب اپنے استاد جی کو بتایا، ان سے کہا؟'' اس نے نفی میں گردن ہلا دی تھی۔

''آپ یہ سب اپنے استاد جی سے کہہ دیں۔''

''نہیں دادا سائیں اس طرح تو وہ ہمیں اور ڈانٹیں گے۔''

''نہیں ڈانٹیں گے، آپ جب ان سے اپنی پرابلم شیئر کرو گے تو وہ آپ کو اس کا سلوشن دیں گے، جب تک آپ اپنی پرابلم ان سے شیئر نہیں کو گے تو انہیں کبھی آپ کی کمزوری کا پتہ نہیں چلے گا اور کمزوری دور ہی جب ہوتی ہے جب اس کا ادراک ہو جائے، آپ ہماری بات سمجھ رہے ہیں نہ۔'' پیار سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے سمجھاتے ہوئے استفسار کیا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

''دادا سائیں! ہم کل ہی استاد جی سے اپنی پرابلم شیئر کر لیں گے۔''

''گڈ بوائے اور آپ کو بھی کوئی پرابلم ہوا کرے تو آپ اپنے استاد جی سے شیئر کر لیا کریں، ویسے آپ کو سندھی کیسی لگتی ہے؟'' اب وہ عالیان کو دیکھ رہے تھے۔

''ہمیں ہر مضمون اچھا لگتا ہے دادا سائیں! مشکل بھی نہیں لگتا، کیونکہ مشکل کچھ بھی نہیں ہوتا، ہمارا کمزور ارادہ مشکلات کو جنم دیتا ہے اور ہمارے ارادے ہرگز بھی کمزور نہیں ہیں۔'' اس کا اعتماد قابل ستائش تھا۔

''گڈ، لیکن خیال رہے، ہمارے ارادے صرف مضبوط ہونے چاہیے، اس میں باطل سوچ و عمل کا کردار نہیں ہونا چاہیے اور نہ اس کے لئے جگہ ہونی چاہیے۔'' وہ پوتے کی سوچ سے متاثر ہوئے تھے اور سمجھانا اپنا فرض سمجھا تھا۔

''سلام اماں سائیں!'' وہ ماں کو ٹرالی گھسیٹ کر لاتے دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے، شمسہ نے ان دونوں کے سلام کا جواب دیا تھا اور سب کو قہوہ دینے لگی تھی۔

''اماں سائیں! آپ کہاں جا رہی ہیں، ہمارے ساتھ قہوہ نہیں پئیں گی۔'' اس کو جاتے دیکھ کر عالیان جلدی سے بولا تھا۔

''ہم عائشہ بوا جی کو بھی بلا لاتے ہیں اماں سائیں۔'' ریان جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''آپ رہنے دیں ریان ہم عائشہ کو بلانے نہیں، قہوہ دینے جا رہے ہیں، ان کی ٹیچر صاحبہ آئی ہوئی ہیں۔'' وہ بیٹے کی عجلت پر مسکراتے ہوئے وہاں سے نکل گئی تھیں۔

☆☆☆
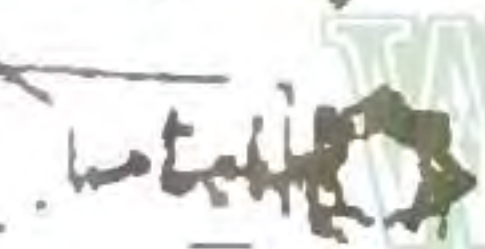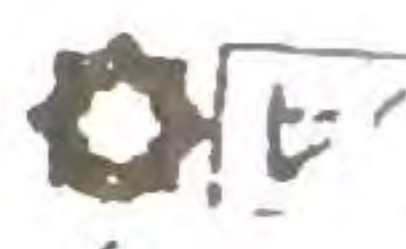
”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ شمسہ انہیں خاموش سا دیکھ کر پریشان سی ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھ گئی تھیں۔

”آپ کو تو بخار ہے۔“ پریشانی ان کے لہجے سے ہویدا تھی۔

”ہم ابھی ڈاکٹر کو......“

”دکھا چکا ہوں، دوائی بھی لی ہے، آپ ہمارے لئے اسٹرانگ سی چائے بنا لائیں اور پلیز سر دبا دیں بہت زیادہ تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔“ وہ آنکھیں بند کیے دھیمے سے بول رہے تھے، وہ جلدی سے اٹھی تھی۔

”ہماری طبیعت کا کسی سے بھی ذکر مت کیجئے گا، فضول میں سب پریشان ہو جائیں گے۔“ وہ ان کی ہدایت کے ساتھ ہی باہر نکلی تھی۔

”شمسہ فارغ ہیں تو ہمارے کمرے میں آیئے ہمیں کچھ بات کرنی ہے۔“ انہیں دیکھتے ہی رفیعہ نے کہا تھا۔

”اماں سائیں! آپ راض نہ ہوں تو ہم سائیں کے لئے پہلے چائے بنالیں، آپ کی بات اس کے بعد سن لیں گے۔“

”آپ جا کر چائے بناؤ، ہم آپ سے بعد میں بات کریں گے اور یہ ماہن کی طبیعت تو ٹھیک ہے، کچھ تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔“ خیال آنے پر وہ پوچھ بیٹھی تھیں۔

”جی اماں سائیں، بس سر میں درد ہے، اسی لئے ہم چائے بنانے آئے تھے۔“

”ٹھیک ہے آپ جائیں اور ماہن کے سر میں تیل کی مالش کر دیجئے گا، اپنی صحت کا وہ بالکل خیال نہیں رکھتے، مگر آپ ان کا خیال رکھا کریں۔“

”جی بہتر اماں سائیں!“ ان سے اجازت ملتے ہی وہ کچن میں آئی تھی، ایک کپ چائے بنائی تھی، ٹرے میں رکھ کر کچن سے نکلی تھی کہ سکینہ تیل کی بوتل لئے آ گئی تھی وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی، چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھی تھی اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر ان کا سر دبانے لگی تھی۔

”آپ اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھتے۔“ وہ سر دباتے ہوئے نرمی سے بولی تھی۔

”آپ جو ہیں میرا خیال رکھنے کے لئے۔“ مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئے تھے اور انہوں نے چائے کا مگ تھما دیا تھا اور وہ اس کی اتری صورت دیکھ کر آہستگی سے بولے تھے۔

”کچھ نہیں ہوا ہے شمسہ، معمولی سا بخار ہے اور آپ کی شکل ایسی ہو رہی ہے جیسے ہمیں کوئی بہت بڑی بیماری ہو گئی ہو۔“

”اللہ نہ کرے۔“ وہ دہل کر بولی تھی اور آنسوؤں کو آنکھوں سے باہر کا راستہ مل گیا تھا۔

”آپ کے معمولی سے بخار نے ہماری جان نکال دی ہے۔“

”او کے بابا سوری! آپ رونا بند کریں، ہمارے سر کی تکلیف بڑھ رہی ہے، آپ کیسی طبیب ہیں درد کا مداوا کرنے کی بجائے تکلیف بڑھا رہی ہیں۔“ اس نے آنسو رگڑ کر جلدی سے سوری کی تھی۔

”ہم آپ کے سر میں تیل لگا دیتے ہیں۔“ ان کا مثبت اشارہ پا کر وہ دھیرے دھیرے ان کے سر میں تیل سے مالش کرنے لگی تھی۔

”آپ بہت خراب ہیں۔“ آنکھیں بند کرنے لگے تھے کہ آواز آئی تھی۔

”ایسا کیا کر دیا ہے ہم نے؟“ وہ سکون محسوس کر رہے تھے۔

”کیا کر دیا ہے، ہمارے سارے پلان پر پانی پھیر دیا ہے اور معصوم ایسے بن رہے ہیں کہ جیسے کچھ کیا ہی نہ ہو، تیل کی بوتل کا ڈھکن لگا کر بوتل ٹیبل پر رکھتی، و[illegible] دوے چلی گئی تھی او[illegible] تولیے سے ہاتھ خشک [illegible]ئے ان کو دیکھ کر بولی تھی۔“ انہوں نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا، وہ تولیہ اسٹینڈ پر ڈالتی ان کے قریب آ رکی تھی، ماہن شاہ نے اس کے بازو کو نرمی سے گرفت میں لے کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا، ایسے کسی عمل کی اسے توقع نہ تھی، وہ پورے وجود سے ان پر آ گری تھی۔

”ہاں کیا کیا ہے ہم نے۔“ وہ اس کے سلکی بالوں کی چند آوارہ لٹیں اس کی صبیح پیشانی سے ہٹاتے ہوئے شریر لہجے میں پوچھ رہے تھے اور اس کی تو شرم و حیا سے بولتی ہی بند ہو گئی تھی۔

”کچھ دیر پہلے تو بہت بول رہی تھیں، اب کیا ہوا؟“ وہ اس کی حالت سے محفوظ ہوئے تھے اور اس کے اٹھنے کی ہر کوشش ناکام بنا دی تھی۔

”پلیز ماہن چھوڑیے نہ۔“ ہلکی سی مزاحمت کی تھی مگر جسے درخور اعتنا نہیں جانا گیا تھا۔

”ماہن! دروازہ پر دستک ہو رہی ہے۔“

”یار کہہ کر آیا کرو نہ کہ کوئی ہمیں ڈسٹرب نہ کر[illegible]ے“ شوخ سی جسارت کے ساتھ اس کے [illegible]جود کے گرد سے اپنا حصار کھینچا تھا۔

”اوف، کیا ہو گیا ہے آپ کو۔“ وہ سیدھی [illegible]دئی تھی۔

”جانے کی ضرورت نہیں ہے، بہانہ کر کے آ جاؤ۔“ وہ اس کو نرم گرم نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور وہ ان کے دائیں پہلو سے اپنا آنچل ٹھانے کو جھکی تھی کہ وہ پھر شرارت کر گئے تھے۔

”آپ کا بھی دل نہیں چاہ رہا نہ، دروازہ پر [illegible]تک ہونے دیجئے، جو بھی ہو گا تنگ آ کر چلا جائے گا۔“ وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑتی سیدھی ہو گئی تھی، آنچل سلیقہ سے اوڑھا تھا اور [illegible] کھول دیا تھا۔

”اماں سائیں ہم کب سے دستک دے رہے تھے۔“ ریان کو اندر آنے کی جلدی تھی، [illegible]ہن شاہ نے قہقہہ لگایا تھا اور وہ بری طرح [illegible]پ گئی تھی۔

”آپ کو کوئی کام تھا۔“ انہیں گھورنا چاہا تھا۔

”جی اماں سائیں! کل ہمارا ٹیسٹ ہے، آپ یاد کروا دیں گی؟“ وہ باپ سے چپک کر بیٹھ گیا تھا۔

”ہاں، کیوں نہیں بیٹا، آپ اپنے کمرے میں چلو، ہم آ رہے ہیں، عالیان کہاں ہیں، انہوں نے ٹیسٹ کی تیاری کر لی؟“

”بابا سائیں! وہ ٹیسٹ دے چکے ہیں، ہمیں سندھی یاد نہیں ہوتی، اس لئے ہم آج ٹیسٹ میں فیل ہو گئے تھے، اس لئے کل ہمارا دوبارہ ٹیسٹ ہو گا۔“ وہ شرمندگی سے بتا رہا تھا پھر ان کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی، جبکہ اس نے سنا نہیں تھا۔

”کیوں یاد نہیں ہوتی سندھی ہمارے شہزادے کو۔“

”وہ داصل بابا سائیں! ہمیں بوا جی پڑھاتی ہیں اور ان کے ایگزامز ہونے والے ہیں تو وہ بزی ہیں، اسی لئے تو ہم اب اماں سائیں سے ہیلپ لینے آئے ہیں، اماں سائیں! آپ ہمیں سندھی کا سارا سبق یاد کروا دیں گی نہ۔“ باپ کو ساری پرابلم بتاتے ہوئے اس نے یکدم ماں سے پوچھا تھا، بیٹے کی فرمائش پر حیران رہ گئی تھی اور برش ہاتھ سے ہی گر گیا تھا وہ اس کی حالت سے محفوظ ہوئے تھے اور وہ ماں کی حالت سے انجان اپنا سوال دہرا رہا تھا۔

”کیوں نہیں، ہمار[illegible]ے بیٹے کی اماں۔“ مسکرا[illegible]تے ہو[illegible]ئے شرار[illegible]ت سے بولے تھے۔

”ہمیں فیل نہیں ہونا ہے بابا سائیں ہماری کتنی انسلٹ ہوئی ہے ہم نے اب ا[illegible]سے سبق یاد کرنا ہے۔“ وہ باپ کی شرارت کہاں سمجھا تھا، برا مان کر بولا تھا۔

”ہمارے شہزادے نے پاس ہونے کے لئے غلط استاد منتخب کیا ہے، بیٹا جانی! آپ کی اماں سائیں کو سندھی نہیں آتی۔“ وہ ان کے

گھورنے کی پرواہ کیے بغیر متبسم سے گویا ہوئے تھے۔

''اماں سائیں! کو بھی ہماری طرح سندھی بری لگتی ہوگی۔'' اس نے فوراً ہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا اور آپ پریشان نہ ہو، آپ کے بابا سائیں کو بہت اچھی سندھی آتی ہے، یہ آپ کی ساری تیاری کروادیں گے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جوابی حملہ کیا تھا اور سکون سے چوٹی کے بل پورے کیے تھے۔

''بابا سائیں! آپ ہمیں یاد کروا دیں گے!''

''ہاں بیٹا آپ جا کر اپنی کتابیں لے آؤ اور بابا سائیں آپ کی اتنی اچھی تیاری کروائیں گے کہ آپ کے عالیان سے بھی اچھے مارکس آئیں گے۔'' وہ اسے جوش دلانے کو بولی تھی اور وہ چھلانگ مار کر مسہری سے اترا تھا اور ماہن شاہ کے کچھ بھی سمجھنے سے پہلے ان کے روم سے رفو چکر ہو گیا تھا اور وہ ان کو دیکھ کر ہنسنے لگی تھی۔

''ادھر آئیں ذرا۔''

''جی نہیں، ہم جا رہے ہیں، آپ کا ایک دم نیا فریش اسٹوڈنٹ آنے والا ہوگا۔'' وہ ان کے بلانے کو نظر انداز کرتی مسکراتے لہجے میں بولی تھی۔

''خدا کے لئے شمسہ! آپ ریان کو عائشہ یا پھر اماں سائیں کے حوالے کر دیں۔'' ماہن شاہ لجاجت سے بولے تھے، کیونکہ ریان پڑھنے میں عالیان سے بھی زیادہ اچھا تھا، مگر سندھی اسے بالکل نہ سمجھ آتی تھی، نہ ہی اسے یہ مضمون پسند تھا، وہ ا[illegible] معاملے میں شمسہ پر گیا تھا، جو شادی کے نو برس [illegible] بھی سندھی سے نابلد ہی تھیں جبکہ [illegible] کی [illegible] ان سندھی تھی اکثر گھر [illegible] میں [illegible] تھی، مگر وہ خود! دو [illegible] تھی [illegible] بھی ان کے سر سے گزر [illegible] بچوں [illegible] کی ذمہ داری [illegible] نے لی ہوئی

تھی اور عائشہ ریان کو جتنی محنت سے سندھی تیاری کرواتی تھی بس اس کا حوصلہ تھا اور یہ با ماہن شاہ کے علم میں تھی اس لئے وہ ا[illegible] پڑھانے کا سوچ کر ہی پریشان ہو گئے تھے۔

''آپ ہنستے ہوئے بہت بری لگ ر[illegible] ہیں۔'' انہیں بیٹے پر کچھ غصہ سا آنے لگا تھا، جس نے ان کے رومینٹک موڈ کا ستیاناس کر دیا تھا [illegible] س پر نئی افتاد نازل ہونے کو تھی۔

''آپ لیکن خفا خفا بہت اچھے لگ ر[illegible] ہیں۔'' وہ کھل کھل کرتی ہنس [illegible] تھی، وہ ان کافی دور تھی، بلانے پر بھی قریب نہیں گئی تھی۔

''اماں سائیں! با[illegible] نے آپ کو جوک [illegible] ہے؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

''جی اور آپ اب بابا سائیں کو تنگ نہیں کریں گے تو یہ آپ کو بھی جوک سنائیں گے۔'' بیٹے کی پیشانی چومتی ان کے پیار کے اشارے انداز کرتی، کمرے سے نکل گئی تھی اور وہ مرتے نہ کرتے کے مصداق اسے کتابیں کھولنے کا [illegible] لگے تھے، وہ چاہتے تو اسے منع کر سکتے تھے مگر انہیں مناسب نہیں لگا تھا، وہ اپنے بچوں شخصیت سازی کے لئے چھوٹی چھوٹی باتوں بھی بے حد خیال رکھتے تھے، گھر میں چونکہ سند[illegible] زبان شاذ و نادر ہی بولی جاتی تھی اس لئے عائ[illegible] بھی اس زبان کی ادائیگی میں ایکدم پرفیکٹ نہیں تھیں، جبکہ وہ اس زبان کے اسرار و رموز اچھے سے واقف تھے، کیونکہ حویلی سے باہر وہ یہ زبان استعمال کرتے تھے، وہ اسے چھوٹی چھو[illegible] باتیں سمجھانے، دھیرے دھیرے اسے یاد کر[illegible] رہے تھے، ایک تو ان کا انداز اچھا تھا زبان [illegible] امید سے زیادہ [illegible] کر لیا تھا، مگر ا[illegible] سے [illegible] میں [illegible] چوٹیں [illegible] مل گئی تھیں۔

''کھانا لگ گیا [illegible] آپ دونوں......'' کمرے میں آکر بولنے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! آپ جاؤ۔'' وہ اسے نظر انداز کر گئے تھے۔

''تھینک یو بابا سائیں!'' وہ خوشی خوشی ان کے گال پر پیار کرتا اٹھا تھا۔

''تھینکس [illegible] جب کہنا جب اچھا رزلٹ [illegible] ئے۔'' بیٹے کی خوشی ان کی ساری تھکن جیسے لے اڑی تھی۔

''آپ کھا[illegible] نہیں کھائیں گے؟'' وہ انہیں [illegible] سے بیٹے دیکھ کر ان کے قریب چلی آئی تھی۔

''نہیں ہمیں بھوک نہیں ہے، آپ جائیں [illegible] سب انتظار کر رہے ہوں گے۔'' و[illegible] ے بڑھی [illegible] سے کہتے اس کے تو ہاتھ ماؤں سی پھیلا گئے تھے۔

''[illegible] پ نا[illegible] اس[illegible] لئے [illegible]''

[illegible] سے پہلے [illegible] آپ کو کوئی بلانے [illegible] ئے، آپ [illegible] سے پہلے [illegible] چلی [illegible] یں [illegible] بازو [illegible] سے [illegible] کا ہا [illegible] بنا کر انہو[illegible] نے [illegible] پر ہاتھ [illegible] ہلیا [illegible] چل کر کھا [illegible]

[illegible] مت [illegible] ہمار [illegible] رمیں پہلے شدید درد ہو رہی ہے۔'' انہوں نے [illegible] وٹ بدل لی تھی۔

''آئی ایم سوری، ہم نے تو بس مذاق کیا [illegible]۔'' اس کا لہجہ بھیگنے لگا تھا اور ان کے جواب [illegible] ینے سے پہلے دروازہ پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی اور تسور گرلی چار و ناچار اٹھ گئی تھی، باہر سکینہ تھی [illegible] رود اس کو جانے کا کہہ کر دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے ہی چل پڑی تھی۔

''ماہن شاہ نہیں آئے، کھانا نہیں کھائیں گے؟''

''بابا سائیں! ان کے سر میں درد ہے، ٹھہر کر کھائیں گے۔'' وہ دسترخوان پر بیٹھ گئی تھی اور کی خاطر چند لقمے زہر مار کیے تھے، قہوہ [illegible] نے اٹھی تھی کہ رفیعہ نے اسے منع کر دیا تھا۔

''قہوہ، عائشہ بنا لیں گی، آپ کھانا لے کر اپنے کمرے میں چلی جائیں، ماہن شاہ بھی کھا لیں گے اور آپ بھی۔'' رفیعہ کے کہنے پر وہ کھانا لئے کمرے میں آ گئی تھی مگر وہ سو چکے تھے اس لئے پشیمان سی لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆

''معصومہ! تم بھی اپنے لئے کپڑے پسند کر لو۔'' زینت نے خاموش بیٹھی معصومہ کو متوجہ کرنا چاہا تھا، سانول شاہ نے تو شادی سے انکار کر دیا تھا اس لئے سونیا اور زینت کی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔

رجب کی اٹھارہ تاریخ کو دونوں کی ر[illegible] تھی، معصومہ، زینت کی آواز پر [illegible] خیال سے چونکی تھی اور اپنے لئے کپڑے پسند کرنے لگی تھی آج کل کافی زور و شور ہو رہی تھی کیونکہ طے تو یہی تھا کہ سانول شاہ کے آتے ہی شادی ہوگی [illegible] ور حویلی میں شادی کے ہنگامے جاگے تھے مگر اس کی نہیں اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبا جا رہا تھا، [illegible] بچپن سے ہی سانو[illegible] سے محبت کرتی تھی، وہ حسین تھی اس کی بچپن کی منگ تھی لیکن [illegible] نے کبھی اسے توجہ بھری نگاہوں سے نہیں دیکھا [illegible] کوئی خوشبو بھری بات اس کے کانوں میں نہیں کہی تھی، نہ کوئی تحفہ نہ کوئی پیغام، پھر شادی میں ٹال مٹول سے کام لینا، اس کا معصوم دل وسوسوں کا شکار نہ ہوتا تو کیا کرتا، مگر وہ یہ سب کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی، زینت اس کی خاموشی اور بے دلی محسوس کر رہی تھی اور ایسی لئے اس نے معصومہ کو اپنے کمرے میں بلایا۔

''میں جانتی ہوں تم ادا سانول کو لے کر پریشان ہو۔'' اس کے صاف کہنے پر وہ اسے دیکھنے لگی تھی، اس کی آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

''اڈی مجھے لگتا ہے وہ مجھے بالکل پسند نہیں کرتے، وہ شاید کسی اور کو۔۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے معصومہ!''

''ایسی ہی بات ہے اڈی! میں ان کی منگ

ہوں، کتنی دفعہ ہمارا سامنا ہوتا ہے، کبھی کچھ تو وہ کہہ ہی سکتے تھے، مگر ان کی آنکھوں میں میرے لئے سر دردیے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔"

"دیکھ معصومہ! تو خوبصورت ہے اور اس خوبصورتی کے ذریعے تو ادا سانول کے دل پر راج کر سکتی ہے، بس انہیں اپنی خوبصورتی کا احساس دلا، تو مردوں کو نہیں جانتی، عورتوں کی اداؤں پر اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، حویلی کے مردوں کو تو، تو جانتی ہی ہے، کتنی ہی عورتوں سے ان کے تعلقات ہیں اور اس لحاظ سے تو خوش قسمت ہے ادا سانول ایسے نہیں ہیں، اس لئے تجھے انہوں نے کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا، نہ کر اس لئے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتے ہیں۔"

"اڈی! تو اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہے کہ ان کا کسی لڑکی سے چکر نہیں ہے، وہ بھی حویلی کے باقی مردوں جیسے ہی ہوں گے۔"

"یہ صرف میں نہیں حویلی کا ہر بندہ کہتا ہے، مگر میں تجھے اس لئے سمجھا رہی ہوں کہ ادا سانول بھٹکے نہیں ہیں مگر بھٹک سکتے ہیں، اس لئے تو پہلے ہی قابو کر لے۔" زینت شادی شدہ عورت تھی وہ ان تجربوں سے گزر چکی تھی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں اڈی! شادی تک کے لئے تو وہ راضی نہیں ہوتے، سچ اڈی مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے کہ وہ کسی گوری میم کے چکر میں ہیں۔" وہ اس کی بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"دیکھ ایسا ہے نہیں اور ہے بھی تو بیوی تو تجھے ہی بننا ہے، گوری میم ہو یا کالی میم، وہ اس کے ساتھ محض وقت گزار سکتے ہیں، جیون ساتھی تجھے ہی بننا ہے اور دیکھ میری مان تو فضول واہمات سے نکل کر ادا سانول کو اپنے قابو میں کر لے، بیوی میں اور محبوبہ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، ان کی محبوبہ بن جائے گی تو وہ تجھ پر، تیری خاطر مریں گے اور بیوی بن جائے گی تو تجھے ان پر اپنا سب کچھ وارنا ہوگا، مجھے دیکھ لے تیرے ادا دلاور کی رگ رگ سے واقف ہوں ا. کی ادھر ادھر منہ ماریوں کی بھی مجھے خبر ہے، مگر میں کچھ نہیں کر سکتی، کیونکہ میں صرف بیوی ہوں جس کے ساتھ وہ صرف اپنا وقت گزارتے ہیں میں کوئی جواب طلبی نہیں کر سکتی، جس دن ایسا وہ مجھے چوٹی سے پکڑ کر مجھے لات مار کر اپنے کمرے سے نکال دیں گے، طلاق نہیں دیں گے کیونکہ وہ مجھے خوش رکھیں یا دکھی مجھے رہنا ہر حا میں صرف انہی کے ساتھ ہے، یہاں کا مرد عورت کو صرف ضرورت اور تسکین کا ذریعہ سمجھتا ہے، مگر وہی عورت جب مرد کے حواس پر سوار ہو جاتی تو، تو چند پل خوشی کے عورت کو بھی نصیب . جاتے ہیں، تیرا مقدر یہاں کی عورتوں سے مختلف نہیں ہو گا، مگر تو بہت حسین ہے اور تیری خوبصورتی اتنی تجھے کسی بھی مرد کے حواسوں سوار کر سکتی ہے۔" زینت کے لفظ لفظ میں زہر کی سی آمیزش تھی، کیونکہ اس نے اپنے شوہر دلاور شاہ کے لئے شادی کے دس سالوں میں کیا نہیں کیا تھا اور وہ اسے صرف عزت تک نہیں دے سکا تھا، وہ اسے اپنے پیر کی جوتی سمجھتا تھا تسکین کا وہ ساماں جو ہر برے رویے نفرت خاموشی سے سہتا جاتا ہے اور آنکھوں کو بھی تراوٹ پہنچاتا رہتا ہے جب چاہا استعمال کر اور جب موڈ نہ ہوا تو کروٹ بدل کر سو گئے سامان کیونکہ کیسا ہی کیوں نہ ہو سامان ہی ر. ہے، یہ مالک کی مرضی کہ اسے کب کہاں سجا رکھے اور کب اٹھا کر پھینک دے۔

☆☆☆

"ماہن! اٹھ جایئے پلیز کھانا کھالیں۔"

وہ اپنے سارے کاموں سے فارغ ہو کر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد کھانا لئے کمرے میں آئی تھی اور وہ اس کے اٹھانے پر خاموشی سے اٹھے تھے اور واش روم میں چلے گئے تھے، فریش ہو کر آئے تھے اور ٹرے اپنے سامنے کر لی تھی۔

"آپ کھانا نہیں کھا رہیں۔" لقمہ منہ تک لے جاتے ہوئے یکدم اس سے پوچھا تھا۔

"آپ ہم سے ناراض ہیں، ہم نے تو صرف مذاق۔" اس کی آنکھیں بہنے لگی تھیں، انہوں نے نوالہ واپس رکھ دیا تھا۔

"ہم ناراض ہیں بھی تو آپ کے مذاق پر نہیں، آپ کی چھوٹی سی شرارت ہمارے لئے کتنا بڑا امتحان بن گئی تھی اس کے باوجود بھی نہیں، کیونکہ اس سب سے آپ خوش، ہمارا بیٹا خوش تھا، اس لئے ہم بھی خوش تھے۔"

"تو پھر آپ ہم سے کیوں ناراض ہو گئے تھے، بلکہ ابھی بھی ہم سے ناراض ہیں۔"

"کھانا شروع کریں، کھانے کو انتظار نہیں کرواتے۔" ہاتھ بڑھا کر نوالہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا اور وہ آنسو پیتی کھانا کھانے لگی تھی، مگر حلق میں نوالے اٹکنے لگے تھے، کچھ دیر بعد ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بلک اٹھی تھی اس سے اتنی جذباتیت کی انہیں توقع نہیں تھی، پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے سسکیاں بھرتی پینے لگی تھی۔

"آپ ہماری نہ جانے کون سی بات سے ہرٹ ہوئے ہیں، ہم تو آپ کو ہرٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ہمارے جذبات کا خیال نہیں رکھتیں اور کہتی ہیں کہ ہمیں ہرٹ نہیں کر سکتیں۔" وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ گئے تھے اور اس کے آنسو صاف

''شمسہ دھی! آپ اپنے میکے جانے کے لئے کہہ رہی تھیں، آج تو آپ نہیں جاسکیں تو کل ہی آپ بھی ساتھ ہی چلی جایئے گا۔'' وہ ان کی آواز پر رکی تھی اور وہ کہہ کر چلے گئے تھے، رفیعہ ان دونوں کو سونے کا کہتیں ملازمہ کو ہدایت دے کر خود بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

''بھابھی! آپ پیکنگ میں میری مدد کریں۔''

''ہم صبح آپ کی ہیلپ کروا دیں گے۔'' ابھی تو اسے تو کمرے میں جانے کی جلدی تھی۔

''بھابھی پیکنگ کا تو اتنا مسئلہ نہیں ہے ہم سکینہ سے کروالیں گے، مگر ہمیں سمجھ نہیں آرہا کہ ہم لے کر کیا جائیں، آپ ہمیں گائیڈ کر دیں گی تو ہماری پرابلم سولو ہو جائے گی اور ہمیں پیپر سے متعلق بھی آپ کی کچھ ہیلپ چاہیے۔''

''او کے، آپ اپنے کمرے میں چلیئے ہم آتے ہیں۔'' وہ اس کو جانے کا کہتی اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی مگر کچھ سوچ کر وہ اس کے پیچھے اس کے کمرے میں چلی آئی تھی، جلدی جلدی کرتے کرتے بھی اسے دو گھنٹے لگ گئے تھے، وہ اپنی شامت آنے کا سوچتی اس کے کمرے سے نکلی تھی، دونوں بچوں کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر وہ ان کے روم میں چلی آئی تھی۔

''عالیان آپ ابھی تک سوئے نہیں۔'' ریان مزے سے سو رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ویڈیو گیم تھی۔

''اماں سائیں! ہمیں نیند نہیں آرہی۔''

''سونے کی کوشش کریں خود نیند آجائے گی۔''

''اماں سائیں ہم نانو کے ہاں کب جائیں گے؟''

''ابھی آپ کے بابا سائیں سے بات نہیں ہوئی، ہوسکتا ہے صبح جب آپ کے ... نے شہر جائیں گی تو ہم بھی چلے جائیں، مگر آپ فی الحال سو جاؤ، صبح اٹھنا ہوتا ہے اور آل ریڈی آپ لیٹ ہو چکے ہیں۔'' اس نے پیار سے کہا تھا، یہ سب نو بجے سو جاتے تھے اور آج گیارہ بج گئے تھے۔

''اماں سائیں! آپ ہمارے پاس سو جائیں، ہمیں بالکل نیند نہیں آرہی، آپ کہانی سنائیں گی تو ہمیں نیند آجائے گی۔'' وہ بڑی معصومیت و لجاجت سے بولا تھا اور وہ گڑبڑا گئی تھی۔

''آج نہیں عالیان ہم کل۔'' اسے سمجھانا چاہا تھا مگر وہ پیار بھری ضد کرنے لگا تھا۔

''پلیز اماں سائیں!'' وہ چار و ناچار بیٹے کی بات مان گئی تھی، اسے کہانی سناتے ہوئے اس کی آنکھیں خود نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں مگر اس نے خود کو سونے نہیں دیا تھا، عالیان کے سوتے ہی اس نے چادر اس کو اوڑھائی تھی اور پیشانی چومتی نہایت آہستگی سے اس کا سر اپنے بازو سے ہٹاتی اٹھ گئی تھی، اس کا بازو بری طرح سن رہا تھا، جسے بائیں ہاتھ سے سہلاتی، ریان پر ایک نظر ڈالتی کمرے کی لائٹ آف کر کے اپنے کمرے میں آگئی تھی، لاک لگا کر گھومی تھی، وہ کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے، وہ جانتی تھی کہ غصہ میں انہیں نیند نہیں آتی، وہ ڈرتے ڈرتے اپنی جگہ پر لیٹی تھی اور کروٹ بدل کر انہوں نے اپنے جاگنے کا ثبوت دے دیا تھا۔

''ماہن!'' ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا جو جھٹک دیا گیا تھا۔

''ماہن وہ ہم۔'' اسے سمجھ نہیں آیا تھا کیا کیسے کہے؟

''پلیز چپ کر کے سو جائیں، ڈونٹ ڈسٹرب می۔''

''ماہن آئی ایم سوری۔''

''سوری ...'' زور سے چیخے تھے کہ وہ اچھل کر ان کے دور ہوئی تھی اور لرزنے لگی تھی۔

''شمسہ! ہم پہلے ہی پریشان ہیں، سکون سے سونا چاہتے ہیں، رونے کا پروگرام ہے تو پلیز یہاں سے اٹھ جائیں۔''

''آپ اتنا غصہ کیوں ہو رہے ہیں، ہم نے کچھ غلط تو نہیں کیا تھا۔''

''کیا ہی کیوں تھا، جب آپ صبح یہ بات ہم سے کہنا شروع کی تھی ہم آپ کو منع کر دیا تھا تو آپ نے وہی بات سب کے سامنے کیوں کہی۔'' وہ بیڈ سے اتر گئے تھے۔

''ہماری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے آپ کی نگاہ میں۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی اور صفائی میں کچھ بولنے لگی تھی کہ وہ بات کاٹ گئے تھے۔

''آپ صبح بہت جلدی میں تھے، ہم سمجھے تھے کہ اس لئے آپ نے ہمیں کہنے سے روک دیا، ہمیں اندازہ نہیں ہوا تھا کہ آپ یہ بات ہی نہیں کرنا چاہتے۔''

''ہاں تو آپ کو اندازہ ہوتا ہی کب ہے، کہ ہم کیا چاہتے ہیں کیا نہیں؟ آپ ہمیں سمجھ ہی کب سکیں ہیں، بس رونے کا بہانہ چاہیے ہوتا ہے، ہماری بات بکواس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی آپ کی نگاہ میں۔''

''ایسی بات نہیں ہے ماہن، آپ ہمیں غلط سمجھ رہے ہیں۔''

''ہم غلطی پر ہیں، وقت دیکھیں آپ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں، ساڑھے آٹھ ... آپ کو کمرے میں آنے کو کہا تھا۔''

''ہاں سوری غلطی ہو گئی، اس لئے رونے ... پریشان ہونے کی آپ کو قطعاً ضرورت نہیں ہے، آرام سے سو جائیں۔'' وہ لفظ لفظ چبا کر بولے اور وہ تو عام حالت میں ان کے سامنے میں کہہ نہیں پاتی تھی کجا کہ ان کو اتنے اشتعال ... کر کچھ کہہ سکتی اور وہ اس کے ... کے ... منتظر تھے، مگر جب وہ کچھ نہیں بولی تھی تو وہ ایک سرد نگاہ اس پر ڈالتے کمرے سے ہی نکل گئے تھے اور ایسا ان کی نو سالہ شادی شدہ زندگی میں پہلی دفعہ ہوا تھا کہ وہ یوں کمرے سے نکل گئے تھے اور اس نے پوری رات بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتے اور روتے ہوئے گزاری تھی اور نتیجے کے طور پر وہ صبح تک بخار میں بری طرح تپ رہی تھی، مگر اس نے کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا تھا، معمول کی طرح فجر کی نماز ادا کر کے اس نے اپنے سارے کام ادا کیے تھے، ناشتہ کے وقت ماہن شاہ نہیں تھے۔

''دھی! بچوں کو اسکول کیوں بھیج رہی ہیں، آج تو آپ نے اپنے میکے جانا ہے۔'' ناشتہ کے بعد اس نے ان دونوں کو جا کر تیار ہونے کو کہا تھا تب رفیعہ بولی تھیں۔

''اماں سائیں! ہم نے سائیں سے بات نہیں کی ابھی۔''

''ماہن گئے کہاں ہیں، ناشتے پر بھی نہیں آئے۔'' وہ کوئی جواب دیتی کہ وہ تھکے تھکے سے چلے آئے تھے۔

''ماہن! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے......''

''ہم ٹھیک ہیں اماں سائیں! آپ چائے کمرے میں بھجوا دیں، ہم کچھ دیر آرام کریں گے۔''

''ٹھیک ہے پتر! لیکن ایک بات کہنی تھی، آپ کے بابا سائیں کہہ رہے تھے کہ شمسہ آپ کی مصروفیت کی وجہ سے کل نہیں جاسکیں۔''

''اماں ہم شمسہ اور بچوں کو لے جائیں گے، ہم اس وقت سونے جا رہے ہیں آٹھ بجے تک اٹھا دیجئے گا، ساڑھے آٹھ تک نکلیں گے۔'' وہ ان کو دیکھ کر رہ گئی تھی جو چہرہ سے ہی تھکے ہوئے لگ رہے تھے، آنکھیں الگ رت جگے کی داستان سنا رہی ... وہ اسے یکسر نظر انداز کرتے وہاں سے ...

''اماں سائیں! ہم سوچ رہے تھے کہ ہم میکے ابھی نہیں جاتے، عائشہ بھی یہاں نہیں ہوں گی اور ان کے تو پیپر ہو رہے ہیں کام کی بھی پرابلم۔''

''آپ اس سب سے بے فکر ہو کر جائیں، یہاں کاموں کے لئے ڈھیروں ملازم ہیں اور جا کر ماہن کو دیکھیے، ہمیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، بچوں کی پیکنگ ہم بنفشہ سے کہہ کر کروا دیں گے ور آپ کی پیکنگ۔''

''وہ ہم کر چکے ہیں، سائیں نے ہمیں تین دن رکنے کی اجازت دی ہے، آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟''

''ارے نہیں بیٹا اور ایسا کیجئے گا ماہن سے بات کر کے دن بڑھا لیجئے گا، کافی عرصے بعد تو جا رہی ہیں۔'' وہ مسکرا کر کہتیں پلٹ گئی تھیں، بنفشہ چائے لے کر آئی تھی اور وہ ٹرے لئے کمرے میں آ گئی تھی، وہ پشاوری چپل سمیت بستر پر دراز تھے، اس نے چائے ٹیبل پر رکھی تھی۔

''سائیں چائے لے لیں۔'' انہیں اپ ر تھا۔

''اہوں ٹھیک ہے رکھ دیجئے۔'' وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے رکھے بولے تھے اور وہ آنسو پیتی چپل اتارنے لگی تھی، وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھے تھے۔

''سائیں!..... وہ ماہن.....'' وہ اتنی درشتگی سے فرسٹ ٹائم بولے تھے۔

''نہیں..... نہیں..... سائیں کہیے، ماہن کہنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ اس کے سائیں کہنے پر چوٹ کر رہے تھے، کیونکہ وہ انہیں کمرے سے باہر سائیں کہتی تھی مگر کمرے کی حدود میں ان کا نام ہی لیتی تھی اور ایسا ان کی خواہش پر ہی کرتی تھی وہ لب کچلنے لگی تھی۔

''پلیز ہمارے سامنے سے ہٹ جائیں، ایسا نہ ہو کہ ہم غصے میں کچھ کر بیٹھیں۔'' وہ ضبط کھونے لگے تھے۔

''آپ ہماری بات تو سن لیں۔''

''نہیں سننی ہمیں آپ کل سے ہمیں غصہ دلا رہی ہیں شمسہ، کس سے پوچھ کر آپ نے ہمارے پیروں کو ہاتھ لگایا؟ کیا ہو گیا ہے آپ کو، کب آ نے اتنے برسوں میں آپ سے اپنے جوتے اتروائے ہیں، جو آپ نے آج ایسا کرنا چاہا، غلطی پر غلطی کیے جا رہی ہیں، ہمارے ضبط کو آزما رہی ہیں اور ہم اپنا ضبط کھو دیں اس سے پہلے آپ یہاں سے چلی جائیں، ادکے ہم ہی چلے جاتے ہیں۔'' اس کو کچھ کہنے کے لئے لب وا کرتے د کر وہ زچ ہو کر بولے تھے اور اٹھے تھے کمرے سے نکلتے اس سے قبل ہی وہ تقریباً دوڑ کر واش روم میں چلی گئی تھی، اس کے بعد نہ کسی نے بھی آنے کی کوشش کی اور نہ خود انہوں نے اور تھوڑی دیر سو گئے تھے، آٹھ بجے ملازمہ اٹھانے آئی تھی اور ساڑھے آٹھ بجے شمسہ نے عالیان کو بھیجا وہ کچھ ہی دیر میں وہاں چلے آئے تھے۔

''آپ فکر مت کریں سامان وغیرہ سب کچھ رکھوا دیا ہے آپ ناشتہ کر لیں۔'' وہ تا کرنے لگے تھے اور کچھ دیر میں وہ سب سپہر و میں شہر کی طرف گامزن تھے۔

''اماں سائیں! آپ اتنی خاموش کیوں ہیں، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ریان کو ان کی فکر ہوئی تھی اور وہ مسکرا دی تھی، ماہن شاہ نے اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی اور مسکراہٹ بے انتہا کھوکھلی اور اس نے سر سیٹ کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند لی تھیں، آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر گرنے لگے تھے اور وہ بیک مرر سے دیکھ رہے تھے وہ اور عالیان آ تھے اور وہ تینوں پیچھے عائشہ کی تیاری مکمل ریوائس کر رہی تھی، انہوں نے دو گھنٹے بعد گاڑی ایک ڈھابہ پر روکی تھی، کیونکہ ریان کو واش جانا تھا، عائشہ کے کہنے پر وہ ریلیکس ہو کر بیٹھی اور اس کی آنکھ لگ گئی تھی، عالیان نے پانی

تھا اسے پانی دے کر اس نے ماہن شاہ سے پانی کے لئے پوچھا تھا اور پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے ان کی انگلیاں اس کے ہاتھ سے ہلکے سے مس ہوئی تھیں، عجیب سا فیل ہوا تھا انہوں نے گلاس ہٹ دے ذرا سا جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بری طرح دہک رہی تھی۔

''آپ کو اتنا تیز بخار ہے آپ نے ہمیں بتایا کیوں نہیں۔'' وہ پریشانی سے بولے تھے۔

''ہم ٹھیک ہیں۔'' وہ کہتے ہی ہونٹ کچلنے لگی تھی اور وہ اسے دیکھنے لگے تھے اس کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تھے، ان کا دل کٹ کر رہ گیا تھا، وہ کچھ دنوں سے بہت پریشان تھے، اسی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی اس کے ساتھ مس بی ہیو کر گئے تھے، مگر یہ وقت اور جگہ ایکسکیوز کرنے کی نہیں تھی، انہوں نے اسے پیناڈول دی تھی جسے وہ ان کی ہتھیلی سے ... شی سے اٹھا گئی تھی۔

''ابھی کھا لیجئے اسے۔'' آدھا پانی پی کر پانی اس طرف بڑھاتے ہوئے بولے تھے اور وہ پانی کے ساتھ گولی نگل گئی تھی، وہ پورے راستے اس کے لئے پریشان رہے تھے، پہلے عائشہ کا کالج پڑتا تھا، خدا بخش کو ہدایت دیتے وہ واپس گاڑی میں آ بیٹھے تھے، دوسری گاڑی میں خدا بخش اور سکینہ تھے اور سکینہ اس کے ساتھ اندر چلی گئی تھی، اسے کالج چھوڑ کر وہ شمسہ کو لئے ڈاکٹر کے پاس آ گئے تھے، یہ شمسہ کی فیملی ڈاکٹر کی کلینک تھا، دونوں بچوں کو وہ گاڑی میں ہی چھوڑ گئے تھے، ڈاکٹر عظمیٰ کو چیک کروا کر وہ اسے لئے گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔

اس دوران میں فون پر کسی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔

''جی جناب ہم آدھے گھنٹے تک آپ کے غریب خانے پر آ رہے ہیں، ہاں کھانا آپ کے ساتھ ہی کھائیں گے۔'' پھر خدا حافظ کہہ کر سیل فون ڈیش بورڈ پر ڈالا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

''آپ ہمارے ساتھ گھر نہیں جائیں گے۔'' وہ متحیر سی پوچھ رہی تھی۔

''نہیں ہمیں شہر میں چند ضروری کام نپٹانے ہیں، اس لئے ہمیں فوراً نکلنا ہو گا، کیونکہ ہم یہاں پانچ بجے تک ہیں اور ہمیں سارے کام انہی تین گھنٹوں میں کرنے ہیں، بٹ آپ پریشان نہ ہوں ہم آپ کو لینے آئیں گے تو سب سے مل لیں گے۔'' وہ مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''آپ ہمیں لینے کب آئیں گے؟'' وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی، ان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھنے لگی تھی۔

''پندرہ دن بعد۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے ان پر ٹکی رہ گئی تھیں۔

''آپ ناراضگی کی وجہ سے۔''

''یہ بات نہیں ہے ایسا ہم صرف آپ کی خوشی کے لئے کہہ رہے ہیں، ہاں آپ سے ناراض ہیں اور یہ ناراضگی آپ کی واپسی پر دور کر لیں گے۔''

''ایسی بات ہے نہ تو ہم ابھی آپ کے ساتھ واپس چلتے ہیں۔''

''بچوں جیسی باتیں نہ کیا کریں اور اپنی صحت کا خیال رکھیے گا، آپ ہمارے لئے بہت اہم ہیں۔'' زانوں پر رکھے اس کے ہاتھ پر بایاں ہاتھ رکھا تھا۔

''آپ کی ناراضگی کے خیال سے تو ہماری نیند بھوک پیاس، سب مٹ گئے ہیں، ریئلی ماہن آپ ہمیں سمجھنے کی کوشش کریں ہم آپ کو ہرٹ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' ان کے ہاتھ پر آنسو گرے تھے۔

''جانتے ہیں اور آپ سے شرمندہ ہیں کہ ہم نے کسی اور کا غصہ آپ پر اتار دیا، مگر یہ وقت اور جگہ ان باتوں کے لئے مناسب نہیں ہے،

آپ سکون سے جائیں، ہم آپ سے ناراض نہیں ہیں۔"

"سچ کہہ رہے ہیں نہ۔" وہ اس سے خفا ضرور تھے، مگر اس کی صحت اور خود اس سے بڑھ کر معنی نہیں رکھتی تھی ان کی ناراضگی، مگر وہ اس وقت مصلحتاً جھوٹ کا سہارا لے گئے تھے، وگرنہ وہ جتنے دن یہاں رہتی اداس ہی رہتی اور اس کو اداس تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔

"سو فیصد سچ۔"

"آپ لینے کب آئیں گے۔"

"یار کہا نا پندرہ دن بعد یا اس سے زیادہ رہنا چاہیں گی تو ہم تب بھی اعتراض نہیں کریں گے اور آپ یہ مت سوچیے کہ ہم ایسا غصہ میں کہہ رہے ہیں یا غصہ میں آپ کے ساتھ گھر نہیں چل رہے، اس وقت ہمیں ایک بہت ضروری کام ہے۔ بس اسی لئے۔"

"سب ٹھیک تو ہے نا ماہن؟"

"ہاں جان ماہن سب ٹھیک ہے یو ڈونٹ وری۔" اس کے رخسار پر ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا اور دروازہ کھول کر اتر گئے تھے اور پھر بمشکل بیس سے پچیس منٹ ٹھہر کر چلے گئے تھے۔

☆☆☆

"کیوں بھئی جواد آپ کیوں ماما جانی کو تنگ کر رہے ہیں، کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا دیں، ورنہ ہم آپ کے لئے لڑکیاں۔"

"کیا بات ہے شمسہ آپی شادی کے بعد آپ کچھ زیادہ ہی تمیز دار نہیں ہو گئیں؟" ریحانہ بیگم نے جلے دل کے پھپھولے بیٹی کے سامنے پھوڑے تھے کہ وہ اسے شادی کے لئے راضی کر کر کے لڑکیاں دکھا دکھا کر تنگ آ گئیں، مگر اسے کوئی لڑکی پسند نہیں آتی اور اس نے بھائی کو آڑے ہاتھوں لینا چاہا تھا اور وہ الٹا اس کے سر ہو گیا تھا۔

"تو ہم بدتمیز پہلے کب تھے، سن رہی ہیں نہ ماما جانی۔"

"بدتمیز تو آپ پہلے بھی واقعی نہیں تھیں، مگر یہ آپ جناب، یہ میں کی جگہ ہم کہنا۔"

"آپ بات کو گھمائیے مت۔"

"ہاں جواد شمسہ ٹھیک کہہ رہی ہے اور انسان جہاں رہتا بستا ہے وہاں کے رنگ ڈھنگ اپنا لیتا ہے۔" انہوں نے بیٹی کی مکمل حمایت کی تھی کیونکہ یہ تبدیلی شادی کے بعد ان کے انداز تخاطب اور رہن سہن میں آئی تھی۔

"ویسے یقین نہیں آتا آپا کہ آپ کی شادی سندھی وڈیرے سے ہوئی ہے تو داؤٹ ہمارے دلہا بھائی شاندار ہیں، پڑھے لکھے تہذیب یافتہ۔"

"ماہن! ہیں ہمیں پتہ ہے، آپ زیادہ تعریفیں نہ کریں اور اصل بات پر آ جائیں۔" وہ فخریہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"آپ ماہن بھائی کا نام لیتی ہیں، امیزنگ، ورنہ تو میں سوچ رہا تھا کہ سائیں وائیں ٹائپ کا کوئی ورڈ یوز کرتی ہوں گی، سچ آپ کو اماں سائیں جو کہتے ہیں، دیکھے کیسا لگتا ہے آپ کو ایک تہذیب یافتہ وڈیرے سے شادی کر کے۔"

"دیکھ لیا تم نے شادی کی بات پہ یوں گھماتا ہے، تم اس کے ساتھ مغز ماری کرو، میں بچوں کو دیکھ لوں۔" وہ بیٹے کو گھورتیں اٹھ گئیں۔

"ہم ماہن کو حویلی میں سائیں ہی کہتے ہیں، ہم خود کو بہت خوش نصیب تصور کرتے ہیں کہ نہ صرف ماہن بلکہ ان کی ساری فیملی پڑھی لکھی تہذیب یافتہ ہے، سچ جواد جو ماحول ہماری حویلی میں ہے وہ ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتا، یہاں تک کہ ماہن کے ننھیال میں بھی نہیں اور وہاں جو گاؤں ہیں وہ ہمارے گاؤں سے ٹوٹلی مختلف بابا سائیں نے کسانوں کے بچوں کو پڑھنے

آزادی دی ہوئی ہے، ہماری حویلی کے زیادہ تر ملازم زیادہ نہیں تو مڈل پاس ہیں، شادی کے وقت جو خوف تھا وہ تو چند دنوں میں ہی زائل ہو گیا تھا، اوپر سے اتنے پیار کرنے والے والدین بہن جیسی نند خیال رکھنے جان چھڑکنے والا شوہر، ہم تو اپنے رب سائیں کا جتنا شکر کریں کم ہے۔" احساس تشکر سے اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"یہ تو آپ ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں، ماہن بھائی اور ان کے فادر کی شخصیت کافی سحر طاری کر دینے والی ہے۔" وہ ایگری کر رہا تھا ورنہ اب تک جو جاگیرداروں، وڈیروں کی بابت اس نے سن رکھا تھا، ٹی وی سیریلز میں دیکھا تھا، ایسا کچھ نہ تھا وہ بھی اپنی بہن کو حقیقتاً خوش قسمت تصور کرتا تھا۔

"اچھا اب میری جان چھوڑیں اور اپنی بات کریں، کیوں آپ نے ماما جانی کو تنگ کیا ہوا ہے؟" وہ گھوم پھر کر اپنی اصل بات پر آ گئی تھی۔

"آپی مجھے خود بھی آپ سے بات کرنی تھی، لیکن سمجھ نہیں آ رہا کہ کیسے کروں؟"

"یو ڈونٹ وری جواد، آپ بلا جھجک کہیں۔" اس نے بھائی کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

"آپی بات راز تو نہیں رہنی آپ نے سب کو بتانی ہے۔" اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے جو انکشاف کیا تھا وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

"آپ مجھے پلیز غلط مت سمجھیے گا، میں نے یہ شادی بہت مجبوری میں کی ہے۔"

"ایسی بھی کیا مجبوری تھی؟"

"آپی میں زوئلہ سے محبت کر بیٹھا تھا، وہ مجھ سے ایک سال جونیئر تھی، اس کے فادر پاکستانی ہیں اس کی مدر اور وہ خود لندن کی نیشنلٹی رکھتی ہے، اس کے فادر اور مدر کی اچانک روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی اور وہ اس اجنبی ملک میں بالکل تنہا ہو گئی تھی اور اسے سہارا دینے کے لئے میں نے اس سے نکاح کر لیا۔"

"آپ ہم لوگوں سے ذکر کر سکتے تھے۔"

"جی لیکن یہ سب بہت جلدی میں ہوا، زوئلہ کی مدر کی آخری سانسیں گن رہی تھیں اس لئے میں نے......"

"او کے مگر یہ سب کب ہوا اور زوئلہ وہ اس وقت کہاں ہیں؟"

"آپی صرف آٹھ ماہ پہلے میں نے زوئلہ سے نکاح کیا ہے، وہ میرے ساتھ پاکستان آئی ہے اور جب سے وہ اپنی دادی کے پاس ہے۔"

"تین ماہ سے زائد ہو گئے ہیں آپ کو آئے۔"

"جی آپی، اس لئے تو میں آپ کی حویلی آیا تھا کہ آپ سے بات کروں گا، مگر موقع ہی نہیں مل سکا، پاپا سے میں بات کر سکتا تھا، مگر مما کی جذباتیت سے تو آپ واقف ہیں اور میں یہ بات آپ کی غیر موجودگی میں نہیں کرنا چاہتا تھا، آپ کم از کم مما کو تو سمجھا سکتی ہیں۔"

"ہم ماما جانی سے بات کر لیں گے، لیکن آپ زوئلہ سے پہلے ہمیں ملوائیں تاکہ اندازہ لگا سکیں کہ ماما جانی کا ری ایکشن کس حد تک جائے گا کیونکہ ماما جانی آپ کی شادی کو لے کر ہمیشہ سے کانشس رہی ہیں، کیونکہ فواد بھائی نے اپنی مرضی سے شادی کی اور الگ ہو گئے، ماما جانی اس سب سے ڈری ہوئی ہیں، اس لئے وہ آپ کی شادی اپنی مرضی کی سادہ گھریلو لڑکی سے کرنا چاہتی تھیں، مگر آپ نے فواد بھائی کی طرح خود اپنا لائف پاٹنر نہ صرف چن لیا بلکہ شادی ہی کر لی اور یہ حرکت ماما جانی کو بے انتہا ہرٹ کرے گی۔" وہ کافی حقیقت پسند لڑکی تھی جو ہو گیا تھا اسے نہ بدل سکتی تھی نہ کوئی دوسری چوائس تھی اس لئے وہ مطمئن تھی مگر ماں کی وجہ سے اداس تھی، کیونکہ انہوں نے جواد کے لئے عائشہ کو پسند کر رکھا تھا اور ان کے کہنے پر ہی اس نے ماہن شاہ سے بات کی تھی اور اسی لئے تو وہ اب یہاں عائشہ کے

رہنے کے خلاف تھے وگرنہ فرسٹ ائیر کے امتحانوں کے وقت وہ دونوں ہی یہاں ٹھہر گئی تھیں، ماہن شاہ نے مثبت جواب نہیں دیا تھا اور یہی مقام شکر تھا وگرنہ تو اس کے لئے مقابل کھڑے ہو جاتے تھے جبکہ پریشانی والی بات تو اب بھی تھی۔

''میں مما سے بے حد شرمندہ ہوں، لیکن آپی میں نے یہ سب بہت مجبوری میں کیا اور آپ زوئلہ سے ملیں گی تو آپ کو وہ ضرور پسند آئے گی وہ نوریہ بھابھی جیسی بالکل نہیں ہے۔''

''زوئلہ کیسی ہے اس بات کو رہنے دیں، کیونکہ ساری غلطی نوریہ بھابھی کی نہیں تھی، فواد بھائی کے لئے اپنے پیرنٹس اہم ہوتے تو وہ بیوی کی نگاہ میں بھی ان کی اہمیت بناتے، جب بیٹے لا پرواہ و بے حس ہو جائیں تو بہوؤں کو کچھ کہنا حماقت ہوتی ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اور میں خود اپنے منہ سے کچھ نہیں کہوں گا، بس اللہ سے دعا کروں گا کہ میں ایک اچھا بیٹا بن کر اپنے والدین کی امیدوں پر پورا اتروں اور باخدا زوئلہ مشکل میں نہ ہوتی تو میں یہ قدم کبھی نہ اٹھاتا، کیونکہ مجھے اپنی ماں کی جذباتیت ان کے ارمان کا احساس ہے اور میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں اور یہ وقت انشاءاللہ ثابت بھی کرے گا کہ میں فواد بھائی جیسا نہیں ہوں۔'' وہ نہایت سنجیدہ تھا۔

''پھر کب آپ زوئلہ کو ہم سے ملوا رہے ہیں۔''

''آپ کہیں تو میں کل ہی آپ کو زوئلہ کی دادی کے گھر لے جاؤں گا۔''

زوئلہ کے دادا کی ڈیتھ ہو چکی تھی ایک ہی ماموں ہیں اور وہ انہی کے ہاں رہ رہی تھی، زوئلہ کے ماموں مالی طور پر مستحکم نہ تھے اس لئے وہ ارجنٹ لی لندن نہیں پہنچ سکتے تھے اور دو ہفتوں میں وہ خود بھی سب کچھ سمیٹ کر نہیں آسکتی تھی، اسے سہارے کی ضرورت تھی اور یہ سہارا جواد علی نے اسے دیا تھا، اس کی ہر طرح سے ہیلپ کی تھی اور اس کے بغیر تو وہ کچھ کر ہی نہیں سکتی تھی۔

''ہم نہیں جا سکتے جواد۔''

''لیکن کیوں آپی؟''

''ماہن سے ہم نے نہیں پوچھا اور اجازت کے بغیر جا نہیں سکتے اور پوچھنا چاہیں گے تو آخر کیا پوچھیں گے؟ اس لئے آپ ایسا کیجئے زوئلہ کو یہاں لے آیئے۔''

''لیکن زوئلہ یہاں کیسے آسکتی ہے مما۔''

''آپ زوئلہ کو لے آیئے، کل پرابلم نہیں ہوگی کیونکہ ماما جانی کو کل اپنی فرینڈ کے گھر محفل میلاد میں جانا ہے اور اس وقت بابا جان بھی نہیں ہوں گے۔'' اس نے ساری پلاننگ لمحوں میں کی تھی۔

''تھینکس آپی۔'' وہ اس کا مشکور ہوا تھا کہ ریحانہ دونوں بچوں کے ساتھ چلی آئی تھیں۔

''اماں سائیں! ہم کو سب گھر والے یاد آ رہے ہیں۔''

''کیوں بیٹے جانی، کیا آپ کا یہاں دل نہیں لگ رہا۔'' جواد نے اسے اپنے پاس بلا کر پیار سے پوچھا تھا۔

''بالکل بھی نہیں ماموں جان، جب سے آئے ہیں یہاں بور ہی ہو رہے ہیں۔'' عالیان نے کہا تھا۔

''ایسی بات ہے تو ہم ابھی آپ دونوں کو گھمانے لے جاتے ہیں۔'' اس نے شوخی دکھائی تھی۔

''سچ ماموں جان کتنا مزہ آئے گا، گھومنے پھرنے کا۔'' شوقین ریان جوش میں آ گیا تھا۔

''ٹھیک ہے دونوں تیار ہو جاؤ تو میں دونوں کو لے جاتا ہوں، آپی آپ ساتھ چلیں گی؟''

''نہیں ہم نہیں جا سکیں گے۔'' وہ دونوں بیٹوں پر ایک نظر ڈالتی جلدی سے اٹھ گئی تھی اور اپنے کمرے میں آ کر سیل فون اٹھایا تھا اور کچھ ہی دیر میں ماہن شاہ کی آواز کانوں میں گونجی تھی، سلام دعا کے بعد خیریت دریافت کی تھی۔

''ماہن! ہمیں آپ سے بہت ضروری بات کرنی تھی۔''

''جی کہیے ہم سن رہے ہیں۔''

''اگر آپ اجازت دیں تو بچے جواد کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے چلے جائیں۔''

''وائے ناٹ، آپ بھی ساتھ چلی جائیں۔''

''نہیں ہمارا دل نہیں کر رہا۔''

''اچھا، آپ کا دل کیا کر رہا ہے؟'' معنی خیزی ان کے لہجے میں پنہاں تھی۔

''ہمارا دل ایک سنگدل کے لئے آہیں بھر رہا ہے۔'' وہ متبسم ہوئی تھی۔

''قسم سے شمسہ، آپ ہمارے نزدیک ہوتی تو ہم اچھے سے آپ کو اپنی سنگدلی دکھاتے۔'' اور وہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔

''ہنستی رہا کریں بہت اچھی لگتی ہیں۔''

''ہم آپ سے پانچ منٹ بعد بات کرتے ہیں بچوں کو دیکھ لیں کہ وہ تیار ہوئے کہ نہیں۔'' اس نے بچوں کو جواد کے ساتھ روانہ کیا تھا، ریحانہ کو کمرے میں جانے کا بتا کر وہ آ گئی تھی، ان کا نمبر ڈائل کیا تھا تو انہوں نے لائن کاٹ کر خود کال کی تھی جو اس نے ریسیو کر لی تھی۔

''آپ کو ہم سے اتنی سی بات کی اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اجازت لینا ہمارا فرض تھا۔''

''اور اجازت دینا ہمارا فرض، آپ اور بچے جب تک وہاں ہیں جہاں چاہیں وہاں جا سکتی ہیں۔'' وہ یہاں آ کر کہیں نہیں جاتی تھی، اتفاق سے اس کے رشتہ دار بھی نہیں تھے اس کے پیرنٹس دونوں ہی اکلوتے ہیں، فواد کے ہاں جانا ہوتا تھا تو ان سے فون کر کے پوچھ لیتی تھی اور بچوں کو فواد یا سجاد (فادر) آؤٹنگ پر لے جاتے تو وہ جانے سے پہلے اس کا بھی پوچھ لیتی تھی۔

''ماہن! جواد ہمیں کسی سے ملوانا چاہتے ہیں، اگر آپ کہیں تو ہم جواد کے ساتھ ان کے گھر چلے جائیں۔''

''ہاں چلی جایئے گا اور یہ بتایئے کیا کر رہی تھیں؟''

''کچھ خاص نہیں، گھر میں اکیلے بور ہو رہے تھے اس دفعہ جواد ہیں تو ہلچل سی ہے، بچے بھی خوش ہیں لیکن آپ سب کو مس کر رہے ہیں۔''

''اور بچوں کی اماں سائیں۔''

''بچوں کی اماں سائیں سنگدلوں کو یاد نہیں کرتیں۔''

''خدا کا خوف کریں شمسہ، ہم نے کون سی سنگدلی دکھائی ہے؟ آ جایئے ذرا ہم پھر سنگدل بن کر دکھائیں گے آپ کو، تاکہ پتہ تو چلے آپ کو کہ سنگدل ہوتے کیسے ہیں؟''

''بالکل آپ جیسے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی اور یوں کے بعد ایک کے بعد ایک بات نکلتی چلی گئی تھی۔

شمسہ کراچی یونیورسٹی میں اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے فرسٹ ائیر میں تھی اور ماہن شاہ انوائرمینٹل سائنس (ماحولیاتی سائنس) کے لاسٹ ائیر میں، اتفاقی طور پر وہ اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں کسی کام سے آئے تھے اور شعبہ کے چیئرپرسن کے روم سے نکلتی ہوئی شمسہ سے ٹکراتے بچ گئے تھے، کیونکہ وہ روم سے نکل رہی تھی اور یہ داخل ہو رہے تھے، سنجیدہ سے ماہن شاہ کو وہ پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی، اونچا لمبا قد، گوری رنگت، تیکھے نین نقش، لمبے گیسو، کچھ بھی نظر انداز کیا جانے والا نہیں تھا اور وہ ان کی حالت سے یکسر انجان پر اعتماد چال چلتی وہاں

سے نکلی چلی گئی تھی پورے دن اس کا خیال ماہن شاہ کے ذہن و دل پر سوار رہا اور انہوں نے زندگی کی پہلی شب کسی لڑکی کو سوچتے ہوئے گزار دی تھی اور فجر کی نماز ادا کر کے انہوں نے باپ کو کال ملائی تھی اور ان سے کہا تھا کہ ''بابا سائیں! ہم اچانک ایک لڑکی سے محبت کر بیٹھے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا پرپوزل لے جائیں۔

''ٹھیک ہے پتر، ہم ابھی شہر کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔''

''اتنی جلدی نہیں بابا سائیں! ہم لڑکی کے بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتے۔''

''او کے، آپ انفارمیشن کلیکٹ کر کے ہمیں فون کیجئے، لیکن یہ یاد رکھیے گا کہ آپ ہمارے بیٹے ہیں، افگن شاہ کے جس نے ہمیشہ عورت کی عزت کی ہے اور آپ کو بھی یہی درس دیا ہے۔''

''جی بابا سائیں! یاد ہے ہمیں، اسی لئے جب دل میں یہ خیال آیا کہ وہ لڑکی ہمارے دل کو چرا لے گئی ہے تو اس تک جانے کوئی چور راستہ تلاشنے کی بجائے ہم نے ڈائریکٹ آپ سے بات کی، آگے ہمارا نصیب۔'' باپ سے بات کر کے وہ یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہونے لگے تھے اور اپنے ڈیپارٹمنٹ کی بجائے وہ اکنامس ڈیپارٹمنٹ میں چلے آئے تھے اور قسمت ان پر مہربان تھی کہ ان کی پہلی نظر پڑی ہی اس پر تھی جو کسی لڑکی کے ساتھ لان میں گھاس پر بیٹھی ہوئی تھی، مگر اس تک جانا انہیں مناسب نہیں لگا تھا، وہ سائیڈ میں کھڑے سوچ رہے تھے کہ کیا کریں کیا نہیں کہ ایک آواز ان کے کانوں میں پڑی تھی۔

''شمسہ! جلدی آؤ، سر نعیم کی کلاس کب کی اسٹارٹ ہو چکی ہے۔''

''اوف، مارے گئے۔'' وہ دونوں جلدی سے اٹھی تھیں اور تقریباً دوڑتے ہوئے بلانے والی لڑکی کے پیچھے ہی وہاں سے چلی گئی تھیں اور وہ اس سوچ میں کھڑے رہ گئے تھے کہ شمسہ اسی کا نام ہے یا دوسری لڑکی کا اور جب ہی ان کی نگاہ لان میں جہاں وہ بیٹھی تھیں ایک ڈائری پر پڑی تھی جسے انہوں نے اٹھا کر کھولا تھا ''شمسہ سجاد بی ایس فرسٹ ائیر'' کے علاوہ اور کوانفارمیشن اس میں نہیں تھی۔

''ایکسکیوزمی!'' وہی ان کے سامنے تھی اور ڈائری مانگ رہی تھی جسے انہوں نے خاموشی سے بڑھایا تھا، وہ جانے کو مڑی تھی کہ وہ بول اٹھے تھے۔

''کیا آپ ہم سے شادی کریں گی؟'' وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور انہوں نے دوبارہ یہی جملے دہرائے تھے اور وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

''آپ کا دماغ ٹھیک ہے؟'' بات اتنی غیر متوقع تھی کہ سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیا کہے۔

''ہمارا دماغ ٹھیک ہے، دل آپ کا اسیر ہو گیا ہے، ہم اپنے بابا سائیں کو آپ کے گھر اپنا پرپوزل لے کر بھیجنا چاہتے ہیں۔'' وہاں اطمینان قابل دید تھا اب کے اس نے انہیں دیکھا تھا، سرخ و سفید رنگت، بھرے بھرے ہونٹ، مغرور سی کھڑی ناک، گہری نشلی آنکھیں، بھرا بھرا جسم، سفید کلف لگے شلوار قمیض میں وہ مردانہ وجاہت کا اعلیٰ شاہکار معلوم ہو رہے تھے اور وہ بے اختیار سی ان کا جائزہ لے رہی تھی کہ ان کے کھنکارنے پر شرمندہ سی نظر چرا گئی تھی۔

''آپ نے جواب نہیں دیا۔''

''دیکھیے آپ کے فضول سے سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔''

''فضول تو نہیں سیدھا سادہ سوال کیا ہے ہم نے۔''

''دیکھیے آپ کا سیدھا سوال ہرگز بھی سیدھا نہیں ہے۔'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہے وہ کیا کہے۔

''آپ ہمیں اپنے گھر کا ایڈریس دے دیجئے۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں، ان کا سیل فون بجا تھا، ٹیون سے اندازہ ہو گیا تھا کس کی کال ہے اس لئے رسیو کرنا بھی ضروری تھا اور وہ سیل فون کی طرف متوجہ ہوئے تھے کہ وہ وہاں سے بھاگ لی تھی اور وہ مسکرا دیئے تھے روک سکتے تھے مگر روکا نہیں تھا اور وہ آفس میں چلے آئے تھے اور اپنے اثر رسوخ سے انہوں نے شمسہ سجاد کا ایڈریس معلوم کر لیا تھا اور اسی شام افگن شاہ، سجاد علی سے ملے تھے اور انہوں نے سلیقہ سے بیٹے کا رشتہ ان کی اکلوتی بیٹی کے لئے لیا تھا، نصیب میں یہ سب تھا اس لئے باقی کے مراحل آسانی سے طے ہو گئے تھے اور فقط تین ماہ میں شمسہ، ماہن شاہ کی دلہن بن کر حویلی آ گئی تھی اور ان کی تعلیم بھی ادھوری رہ گئی تھی یعنی صرف انٹر کیا تھا شروع شروع میں اسے بہت پرابلم ہوئی تھی مگر سب کچھ سیٹ ہو گیا تھا کیونکہ وہ فطرتاً نرم مزاج اور کومل سی تھی ہر ایک چیز کو بہت محسوس کرتی تھی اوپر سے تھی بھی اکلوتی، ماہن شاہ سے اسے ایک خوف سا فیل کرتی تھی، وہ بہت شدت پسند اور رومینٹک تھے اور وہ سادہ مزاج کی حقیقت پسند اور شرمیلی لڑکی، مگر اس نے کمپرومائز کر ہی لیا تھا۔

☆☆☆

''آپ یہاں۔''

''یہی تم سے مجھے پوچھنا ہے کہ تم یہاں کیسے؟''

''میں آپ کو جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔''

''زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو، تم پہلے ہی مجھ سے وعدہ خلافی کر چکی ہو۔''

''دیکھیے سانول شاہ، آپ رتبے میں مجھ سے بہت اونچے مقام پر ہیں، اس لئے میں آپ سے کسی قسم کی بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی کہ وہ تپ اٹھا تھا۔

''اوقات میں رہ کر بات کرو، تمہاری ہمارے آگے حیثیت ہی کیا ہے، ابھی یہیں کھڑے کھڑے تمہیں غائب کروا دیں تو کوئی تمہیں ڈھونڈ بھی نہیں سکے گا اور مجھے تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، اس لئے میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔'' وہ تو سخت مشتعل ہو گیا تھا۔

''اس لئے صاف بتاؤ کہ تم یہاں کس کے ساتھ آئی ہو، تمہاری بی بی سائیں نہیں وہ تو......''

دماغ میں جھماکا سا ہوا تھا اور اس کے ذہن میں آئی بات زبان سے ادا بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کی نگاہ ادھر ادھر نظر گھما کر کسی کو تلاشتی عائشہ پر ٹھہری تھی اور وہ اس کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''سلام کیسی ہیں آپ؟'' ایسے پوچھا تھا جیسے بہت اچھی علیک سلیک ہو۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں اور بے چینی سے اس پر سوار ہونے لگی تھی۔

''اس کالج میں کسی کام سے آیا تھا، مگر ایک فیصد بھی یہ یقین نہیں تھا کہ تم سے ملاقات ہو جائے گی۔'' وہ اس کے خوفزدہ چہرے کو نگاہ کے حصار میں لئے بول رہا تھا۔

''آپ کیوں بار بار ہمارے راستے میں آ رہے ہیں؟ آپ نے یہ سوچا ہے کہ آپ کی یہ حرکت ہم پر کتنا برا اثر ڈال سکتی ہے، ہماری، ہمارے پیرنٹس کی عزت۔''

''میں آپ کو تنگ نہیں کر رہا، نہ میرا ایسا ارادہ ہے، میں تو بس آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا گیا تھا۔

''لیکن ہم آپ سے بات کرنا نہیں چاہتے،

آپ بجھ کیوں نہیں رہے۔'' اس کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی سے آنسو امڈ آئے تھے۔

''سمجھ تم نہیں رہی ہو، بس ایک بار میری بات سن لو۔''

''اسٹاپ اٹ، جتنا ہم نرمی سے پیش آ رہے ہیں آپ اتنا ہی فری ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، ہمارے راستے میں آئندہ آنے کی بھول کر بھی غلطی کی تو ہم اپنے بابا سائیں کو بتا دیں گے۔''

''ایز یو وش، مجھے فرق نہیں پڑے گا۔'' اس کا سخت لہجہ اسے برا تو بہت لگا تھا مگر اس کی دھمکی کو اس نے چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

''ویسے تم نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا، معلوم تو میں کر سکتا تھا، مگر تمہارا نام تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' اس کی اناری رنگت بری طرح دہک رہی تھی، ماتھے پر پسینہ کی بوندیں وہ سیاہ کاٹن کے سوٹ پر بڑی سی سیاہ چادر سر سے نیچے تک اوڑھے ہوئی تھی۔

''ہم آپ کو اپنا نام کیوں بتائیں؟''

''اوکے نہ بتاؤ، مگر جب تک نام نہیں بتاؤ گی میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔'' وہ بری طرح ڈر گئی تھی، کیونکہ وہ آدھے گھنٹے پہلے پیپر ختم کر کے آ گئی تھی اور اب پانچ بجنے میں پندرہ منٹ تھے، ماہن شاہ کا خیال اس کی جان نکالنے کو کافی تھا، کیونکہ اس وقت تک تو وہ آ چکے تھے، یا بس آنے والے ہوں گے اور وہ اسے دیکھ لیتے تو قیامت آ جانی تھی اور اس کا سخت باور کراتا لہجہ اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھی۔

''دیکھیے آپ یہ سب ٹھیک نہیں کر رہے۔''

''میں نے تو ابھی کچھ کیا ہی نہیں ہے، ہاں کرنے کا ارادہ ضرور ہے، بس اس کے لئے تمہاری رضامندی درکار ہے۔'' سانول شاہ نے اس کے لرزتے وجود پر ایک نگاہ ڈالی تھی، اسے لگا تھا کہ وہ کسی بھی پل گر جائے گی، اس خیال کے آتے ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ، ہاتھ میں لے لیا تھا، سیاہ چوڑیاں اس کی گوری کلائی میں خوب سج رہی تھیں، اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا تھا مگر اس کی یہ کوشش وہ ناکام بنا گیا تھا۔

''ہمارا ہاتھ چھوڑیئے۔'' اس کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنی دوڑ گئی تھی، کسی غیر مرد نے اسے پہلی دفعہ یوں چھوا تھا، اس کا لمس اس کا پورا وجود ہلا گیا تھا اور وہ اس کی حالت سے محفوظ ہو رہا تھا۔

''نام نہیں بتاؤ گی تو میں اس سے زیادہ بڑھ سکتا ہوں۔'' اس کا ہاتھ تھوڑا سا اونچا کیا اور بائیں ہاتھ سے اس کی چوڑیوں کو چھیڑا تھا اور معنی خیزی سے اسے دیکھا تھا۔

''ہمارا نام عائشہ افگن شاہ ہے۔'' اس کے لب بمشکل ہلے تھے۔

''بہت جلد عائشہ سانول شاہ ہو جائے گا، ائی پرامس۔'' نہایت وثوق سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ کے ہاتھ کو ہلکا سا دبایا تھا اور یہ سب اسے لینے آتے ماہن شاہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور وہ چیل کی طرح سانول شاہ پر جھپٹ پڑے تھے۔

''میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں ماہن شاہ، اس لئے کچھ نہیں کہہ رہا، ورنہ میں بھی آپ پر ہاتھ اٹھا سکتا ہوں۔'' وہ اسے بری طرح پیٹ رہے تھے گریبان جکڑ کر جھنجھوڑا تھا اور اس کی برداشت جواب دے گئی تھی، مگر انہوں نے کہاں کچھ سنا تھا، اسے بری طرح مار رہے تھے، اس وقت ان کے پاس ریوالور نہیں تھا اور سانول شاہ نے ریوالور نکال کر ان پر تان لیا تھا، وہ شدید قسم کے اشتعال کی لپیٹ میں تھا، اس نے ٹریگر پر انگلی رکھ دی تھی اور وہ یکدم بھائی کے سامنے آ گئی تھی۔ کچھ طالبات جو ادھر کھڑی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی، خوفزدہ ہو گئی تھیں، گولی کی آواز پر انتشار پھیل گیا تھا۔

''سائیں! پلیز کچھ کریں، بی بی سائیں کو ہسپتال۔'' ماہن شاہ خون میں لت پت ہوئی عائشہ کو دیکھ رہے تھے، سانول شاہ کے ہاتھوں سے ریوالور چھوٹ گیا تھا۔

''ہمیں ان کی زندگی نہیں چاہیے سانول شاہ، جو کھیل انہوں نے تمہارے ساتھ مل کر۔''

''ماہن شاہ! یہ وقت ان باتوں کے لئے نہیں ہے، عائشہ بے قصور ہیں۔''

''بکواس بند کرو، یہ کتنی بے قصور ہیں، ہمیں اندازہ ہو رہا ہے، ایک غیر مرد ان کے بے قصور ہونے کا ثبوت۔''

''سائیں! خدا کے لئے بی بی سائیں کو ہسپتال لے چلیے۔'' سکینہ نے باقاعدہ ان کے منے ہاتھ جوڑے تھے۔

''آپ کا خون بھی ہم پر واجب ہے سکینہ۔'' اسے انہوں نے خونخوار نگاہوں سے گھورا تھا اور عائشہ کو اٹھائے باہر کی طرف بڑھے تھے، اسے گاڑی میں ڈالا تھا، شمسہ اسے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔

''ماہن! کیا ہوا ہے عائشہ کو؟''

''ایک لفظ نہیں پوچھیے گا۔'' سختی سے کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور اسے ایک پرائیوٹ ہاسپٹل میں لے گئے تھے، دونوں بچے بھی سہم گئے تھے، مگر انہوں نے ان تینوں کو گاڑی میں ٹھہرنے کو کہا تھا اور شمسہ نے نتائج کی پرواہ کیے بغیر افگن شاہ کو کال کر دی تھی۔

''ہمیں خود کچھ نہیں پتہ بابا سائیں! ہم نے آپ کو ماہن سائیں، سے پوچھے بغیر فون کیا ہے، وہ بہت غصہ میں ہیں، عائشہ کی حالت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی، آپ پلیز یہاں آ جائیے۔'' وہ بری طرح روتے ہوئے ان سے کہہ رہی تھی اور وہ تو عائشہ کو گولی لگنے کا سن کر پریشان ہو گئے تھے۔

''سکینہ کہاں ہیں؟ خود کو سنبھال کر پوچھا تھا۔''

''یہ تو ہمیں نہیں پتہ؟'' سائیں نے خدا بخش کو جانے کا حکم دیا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ فون رکھیے ہم آ رہے ہیں۔'' انہوں نے خدا بخش کو کال ملائی تھی اور سکینہ سے بات کروانے کو کہا تھا اور اس نے خوفزدہ انداز میں ساری سچائی انہیں بتا دی تھی۔

''سائیں! بی بی سائیں بے قصور ہیں۔'' وہ کہنے لگی تھی کہ انہوں نے لائن کاٹ دی تھی، رفیعہ کو ان کے میکے روانہ کر کے وہ خود شہر کی طرف گامزن ہو گئے تھے، رئیس الٰہی نے زندگی کی تیز ترین ڈرائیونگ کی تھی اور چار گھنٹوں کا سفر تین گھنٹے میں طے کیا تھا اور وہ ہاسپٹل آ پہنچ گئے تھے۔

''آپ بابا سائیں! آپ کو کس......'' وہ انہیں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

''خدا بخش نے اطلاع دی تھی، یہ بتایئے ہماری بیٹی کیسی ہے؟'' انہوں نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا کیونکہ جانتے تھے کہ جب انہوں نے خود اطلاع نہیں دی تھی تو شمسہ کے اطلاع دینے پر وہ ضرور اس پر برستے اور وہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔

''ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے، مگر دعا کیجئے کہ آپ کی بیٹی کی زندگی نہ بچے، اگر وہ زندہ بچ بھی گئیں تو ہم نے انہیں زندہ نہیں چھوڑنا۔'' وہ انہیں اتنے اشتعال میں پہلی دفعہ دیکھ رہے تھے۔

''ہماری بیٹی کی زندگی کا فیصلہ آپ نہیں ہم خود کریں گے۔''

''بابا سائیں! جو ہم دیکھ چکے ہیں، وہ آپ دیکھتے تو۔''

''پلیز یہ باتیں گاؤں جا کر کریں گے۔''

''ہاں ہم گاؤں جا رہے ہیں، آپ اپنی بیٹی

کی لاش لے کر آئیں گے تو ہمیں خوشی ہوگی۔" وہ انتہائی نفرت سے کہتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے اور وہ مٹھیاں بھینچے اشتعال کنٹرول کر رہے تھے، ڈاکٹر نے کچھ دیر بعد اس کی سلامتی کی اطلاع دی تھی اور انہوں نے ڈاکٹر سے بات کی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داری پر اسے ڈسچارج کروا کے لے جا سکتے ہیں اور انہوں نے اسے ڈسچارج کروالیا تھا اور ایک نرس اور ڈاکٹر کے ہمراہ وہ کچھ ہی دیر میں گاؤں جانے کے لئے تیار تھے، ڈاکٹر نے اس کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی تھی اور وہ روم میں چلے آئے تھے اور ان کو دیکھتے ہی وہ تڑپ کر اٹھی تھی اور ان کے سینے میں سما گئی تھی۔

"بابا سائیں! ہمارا یقین کیجئے ہم نے کچھ نہیں کیا۔"

"ہمیں اپنی دھی رانی پر پورا بھرو ہے، رویئے نہیں، آپ کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔" شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ادا سائیں!"

"ہم حویلی چل رہے ہیں، باقی باتیں وہیں کریں گے۔" اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا، اس کے بازو پر گولی لگی تھی، اس کی سانس پھولنے لگی تھی اور اسے ریلیکس رہنے کو کہا تھا، سکینہ انہیں سب کچھ بتا چکی تھی اور وہ اپنی بیٹی کو جانتے تھے اس پر بھروسہ کرتے تھے اس لئے وہ مطمئن تھے اور یہ اطمینان انہیں ماہن شاہ کو بھی دلانا تھا جو اس وقت شدید اشتعال میں تھے اور ریش ڈرائیونگ کرتے گاؤں پہنچے تھے۔

☆☆☆

"ہوش میں رہ کر بات کریں ماہن!"

"بابا سائیں! ہم اب تک ہوش میں ہیں اس پر ہمیں حیرت ہے ہم نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا وہ کہنے کا سوچ کر بھی شرم سے گڑھے جا رہے ہیں، آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہم کتنی اذیت میں ہیں، وہ بہن جس کو مان دیا چاہت دی، اس نے ہماری عزت کو تو کیا اپنی عزت کی بھی لاج نہیں رکھی، باخدا، بابا سائیں! اگر وہ ہم سے یہ کہتیں کہ وہ کسی کو پسند کرتی ہیں ہم لبرل ہیں، کر اس کو دیکھتے، خود ان کی شادی کرواتے، مگر انہوں نے کیا کیا کہ ہماری پگڑی کو سرعام اپنے پیروں تلے روند ڈالا۔" ان کی آنکھوں میں سرخی بڑھنے لگی تھی۔

"ماہن! آپ غصہ میں ہیں، کچھ سمجھ نہیں سکتے ہیں آپ اس وقت، ورنہ آنکھوں دیکھی بھی سچ نہیں ہوتی کبھی کبھی۔" انہوں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے نرمی سے بیٹے کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اور انہیں گلاس بھر کر پانی دیا تھا، جب وہ کچھ نارمل ہوئے تھے، تب وہ کہنا شروع ہوئے تھے۔

"آپ کو ابھی بھی یقین کرنے میں تامل ہے تو ہم سکینہ کو بلا لیتے ہیں۔"

"بابا سائیں! ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ ہمیں سب کچھ غلط لگ رہا ہے ہم نے شاہوں کی حویلی کے آدمیوں کو یہاں اپنے گاؤں میں دیکھا ہے۔" وہ کچھ دنوں سے اسی سب کی چھان بین کرواتے پریشان تھے۔

"مگر آپ کو تو امن چاہیے تھا، دوستی پیاری تھی، شاہنواز شاہ کبھی کسی کے نہیں ہو سکتے اور وہ ان کا بیٹا ہے اس کا قتل تو ہم پر واجب ہو گیا ہے۔"

"جوش سے نہیں ہوش سے کام لیجئے ماہر شاہ، وہ بات جو کسی کے علم میں نہیں ہے، زمانہ خبر کرنے چلے ہیں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں ہم چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں، سانول شاہ نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے، ہماری غیرت للکاری ہے اور آپ کہتے ہیں کہ ہم......"

"ماہن! آپ کیوں ہماری بات نہیں سمجھ رہے۔" بیٹے کا جوش انہیں آخر غصہ دلا ہی گیا تھا۔

"ہم بھی مصلحت کے تحت خاموش ہیں، دشمن پر وار اپنی جان اور عزت ہتھیلی پر رکھ کر نہیں کیا جاتا، ہم نے شاہنواز شاہ، سانول شاہ کو اس سب کا جواب دینا ہے مگر کسی اور بات کو وجہ بنا کر، عائشہ کو ہم درمیان میں لا ہی نہیں سکتے، وہ اس حویلی کی عزت ہیں اور ہماری عزت، پنچائیت میں اٹھائی جائے اس سے بہتر خاموشی اور اس سے بھی بہتر معافی ہے، ہم انہیں معاف کر دیں گے لیکن اپنی دھی کا ذکر کسی زبان پر نہیں آنے دیں گے، موقع محل دیکھ کر بات کی جاتی ہے وار کیا جاتا ہے، مگر آپ سب غصہ و جوش میں آ کر اپنی ساری سدھ بدھ کھو بیٹھتے ہیں۔" انہوں نے بیٹے کو عصیلی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"معاف نہیں کریں گے ہم بابا سائیں جس طرح چھپ کر انہوں نے ہم پر وار کیا ہے ہم بھی اسی طرح جواب دیں گے۔"

"وقت آنے دیجئے اور اٹھیے جا کر آرام کیجئے ہوش سے کام لیتے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوتا، بہو بچے سب کتنا ڈر گئے ہیں، اپنے غصہ پر قابو کرنا سیکھیں ماہن!"

"اب عائشہ کیسی ہے؟" نگاہ سے شک کی پٹی اتری تو بہن کا خیال آیا تھا۔

"وہ ٹھیک ہیں، ڈاکٹرز نے آرام کرنے کو کہا ہے، ابھی آپ ان کے کمرے میں نہیں جایئے گا، وہ خوف کا شکار ہیں، نارمل ہو جانے دیجئے پھر بات کریں گے۔" انہوں نے بات ختم کر کے انہیں اپنے کمرے سے جانے کو کہا تھا، بیٹھک سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹک گئے تھے۔

"ہم آپ کے مشکور ہیں شمسہ! اگر آپ سائیں کو فون نہ کرتیں تو نہ جانے کیا ہو جاتا، ماہن نے غصہ میں جانے کیا کرنا تھا، ماہن تو ابھی بھی سخت غصہ میں ہیں۔" رفیعہ کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"اماں سائیں! ہم تو خود بے حد خوفزدہ ہو گئے تھے، بچے الگ سہم گئے تھے، ہماری تو ان کے غصہ میں دیکھ کر ہی جان نکلنے لگی تھی مگر انہوں نے ہمیں کچھ بتایا ہی نہیں تھا، ہمیں گاڑی میں چھوڑ کر گئے اور ہم نے بے سوچے سمجھے بابا سائیں کو فون کر دیا اور یہ سائیں کو پتہ چلا تو وہ نہ جانے کس طرح ہم سے پیش آئیں گے۔" اس کا خوف تھا کہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"آپ بے فکر رہیں، ماہن شاہ سے سائیں نے آپ کا ذکر نہیں کیا ہم بھی نہیں کہیں گے۔"

"اگر سائیں کو پتہ چلا تو۔" ماہن شاہ کو دیکھ وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی تھی اور وہ ایک تیز نظر اس پر ڈالتے کمرے میں چلے گئے تھے۔

"اب کیا ہو گیا اماں سائیں؟"

"آپ ڈریئے نہیں ہم جا کر ان سے بات کرتے ہیں۔"

"نہیں...... نہیں اس طرح تو سائیں اور غصہ ہوں گے۔"

"آپ ریلیکس ہو کر اپنے کمرے میں جائیں، سفر کی اور ذہنی تھکان ہو گی، آپ کو آرام کرنے کی ضرورت ہے اور ماہن کچھ نہیں کہیں گے، آپ نے جو کیا وہ صحیح تھا۔"

"اماں سائیں! آپ بچوں کو کھانا کھلا دیجئے گا۔"

"ٹینشن کی وجہ سے ابھی تک کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا جبکہ رات کو دو بج رہے تھے۔"

"آپ کھانا لے جایئے ماہن! کو کھلا دیجئے گا اور آپ بھی ضرور کھا لیجئے گا، بھوکے پیٹ نہیں سوتے، صحت کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔" بنفشہ کو آواز لگائی تھی اور کھانے کی ٹرے لئے وہ کمرے میں آ گئی تھی۔

"ماہن! کھانا۔"
"ہمیں بھوک نہیں ہے۔"
"اماں سائیں نے کہا ہے کہ ہم آپ کو کھانا ضرور کھلا دیں، بھوکے پیٹ سونا صحت کے لئے اچھا نہیں۔"
"آپ کو ایک دفعہ کی بات سمجھ نہیں آتی۔" ماہن شاہ نے نہیں کا غصہ کہیں نکالا تھا، کھانے کی ٹرے اٹھا کر پھینک دی تھی اور وہ ششدر سی رہ گئی تھی، جبکہ وہ دراز ہو گئے تھے، ان کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور وہ کرچیاں سمیٹنے بیٹھی تھی کہ دروازہ بج گیا تھا، رفیعہ شاہ تھیں، آواز پر آئی تھیں۔
"آپ رہنے دیجئے، ہم بنفشہ کو بھیج دیتے ہیں وہ صفائی کر دیں گی۔" ایک نظر بیٹے پر ڈال کر اس کی زرد رنگت دیکھی تھی اور ملازمہ کو آواز لگائی تھی۔
"بنفشہ ہمیں ایک کپ چائے کے ساتھ سر درد کی گولی لا دیں۔"
"جی بہتر سائیں!" وہ صفائی کرتی باہر نکل گئی تھی، وہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی اس لئے، کپڑے لئے واش روم میں چلی گئی تھی، پانی کے ساتھ کتنے ہی آنسو بہائی وہ خود کو مب بہتر فیل کر رہی تھی۔
"بی بی سائیں! کسی اور چیز کی ضرورت۔"
"نہیں آپ جائیں۔" وہ ٹرے اس کے ہاتھ سے لے گئی تھی۔
"ماہن آپ کی چائے۔" اسے مخاطب کیا تھا اور انہوں نے اٹھ کر چائے کا کپ اٹھا لیا تھا، ایک گھونٹ بھر کر ساتھ ہی گولی پھانک لی تھی، انہیں مخاطب کرنے کی اس میں بالکل ہمت نہیں ہو رہی تھی، اس نے بالوں سے تولیہ نکالا تھا اور انہیں لیٹتے دیکھ کر وہ گیلے بالوں کو جوڑے کی شکل دیتی ان کے سرہانے آ بیٹھی تھی، انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا، مگر وہ ان کی برہمی نظر انداز کر گئی تھی۔
"آپ ہمیں سکون سے سونے دیں گی، یا ہم یہاں سے اٹھ جائیں۔" سختی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ دوبارہ اپنے سر سے ہٹایا تھا۔
"اٹھ کر تو دکھائیں، اس دن آپ چلے گئے تھے تو ہم نے نظر انداز کر دیا، مگر بار بار یہ نہیں ہو گا، سمجھے آپ اور خاموشی سے لیٹے رہیں ہم آپ کا سر دبا دیتے ہیں۔" وہ ان پر جھکتے ہوئے دھونس سے بولی تھی اور ان کا غصہ اس کی پیار بھری ادا پر غائب ہونے لگا تھا
"گلا دبا دیں سر دبانے کی کیا ضرورت ہے۔"
"ضرورت ایجاد کی ماں ہے جناب اور ابھی تو آپ کے سر میں درد ہے گلے میں جب ہو گا تو گلا بھی دبا دیں گے۔" انداز میں کسی حد تک بے نیازی تھی اور وہ اس کے پیار بھرے دوستانہ انداز پر خاموش ہو گئے تھے اور وہ ان کا سر دبانے لگی تھی۔
"آپ مجھ سے اتنا خفا کیوں رہنے لگے ہیں؟"
"خفا ہونے پر آپ ہمیں مجبور کر دیتی ہیں۔"
"الزام تو مت لگائیں ماہن ہم کیوں آپ کو مجبور کریں گے اور آپ خود مجبور نہیں ہوتے ہمیں مجبور کر دیتے ہیں، ہر وقت غصہ کرنے لگتے ہیں، جانتے بھی ہیں کہ آپ کے غصہ سے ہمیں ڈر لگتا ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔
"اوف غصہ کرنے پر محترمہ خود ہی تو اکساتی ہیں، بات بعد میں کرتی ہیں پہلے روتی ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام گئے تھے۔
"ہاں تو اب رونے پر بھی پابندی لگائیں گے کیا؟" وہ ان پر خفا ہوئی تھی۔

"ہم نے آپ پر کون سی پابندی لگائی ہے؟"
"یہ پوچھیے کون سی نہیں لگائی۔"
"آپ کو برا لگتا ہے۔"
"ہم نے کب کہا، مگر کوئی فیصلہ کبھی تو ہم اپنی مرضی سے لے ہی سکتے ہیں، آپ نے سوچا ہے ہم اور بچے اس وقت کتنے خوفزدہ ہو گئے تھے، ایسے میں ہم نے بابا سائیں کو فون کر دیا تو آپ ناراض کیوں ہیں؟"
"نہیں ناراض نہیں ہیں، بس گزرے دنوں میں سب کچھ اتنا ٹینس کر دینے والا تھا کہ ہم نے بھی عام مردوں کی طرح ساری فرسٹریشن بیوی پر نکال دی، جبکہ آپ ہمارے لئے بہت خاص ہیں، ہماری زندگی سے بھی اہم اور ہم خود سے ناراض ہو سکتے ہیں آپ سے کبھی نہیں۔" وہ اٹھی تھی اس کا ارادہ تھا کہ اپنی جگہ پر دراز ہو جائے گی کیونکہ تھکن اب اس پر بری طرح حاوی ہونے لگی تھی اور انہوں نے اسے کلائی سے پکڑ کر ایسے کھینچا تھا کہ وہ ان کے سینے پر آ گری تھی، بھیگے بال ان کے چہرے پر آ گرے تھے انہوں نے سانس کھینچ کر اس کے بالوں سے اٹھتی مہک اپنے اندر تاری تھی۔
"بس آپ ہر وقت رومینس کرنے بیٹھ جایا کریں۔" وہ مچل کر اٹھی تھی اور ان کے قہقہہ لگانے پر وہ حیا سے سمٹ گئی تھی۔
"رہنے دیں ہمیں آپ کی الجھیں بھیگی بھیگی زلفیں اچھی لگتی ہیں۔" اس نے ڈریسنگ سے برش اٹھایا ہی تھا کہ وہ مخمور لہجے میں بولے تھے۔
"ہم نے ابھی نہیں سلجھایا تو صبح تک یہ مزید الجھ جائیں گے ہم سے سلجھائے نہیں سلجھیں گے۔" اس نے پلکیں اٹھا کر شیشے میں نظر آتے ان کے عکس کو دیکھا تھا۔
"ہم ہیں نہ ہم سلجھا دیں گے۔" وہ اٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے اور پیار سے کہتے اس کی سنہری زلفیں تھام کر چہرے کے قریب لے جا کر ہلکا سا جھٹکا دے گئے تھے۔
"اوف کیا کرتے ہیں ماہن!" وہ بری طرح جھنجھلا گئی تھی، کیونکہ اس نے بال یونہی اٹھا کر باندھ دیئے تھے، پانی تک ڈھنگ سے جذب نہیں ہوا تھا اور پانی کی بوندیں اس کا چہرہ بھگو گئی تھیں۔
"یوں روٹھی روٹھی بہت اچھی اور اپنی لگتی ہیں۔" آہستگی سے بال چھوڑے تھے اور ماتھے پر جھولتی لٹ کھینچی تھی، اس نے برش ہلکے سے ان کے شانے پر مارا تھا اور انہوں نے وہ اس کے ہاتھ سے ہی چھین لیا تھا۔
"پلیز ماہن! برش دیجئے ہم بالوں کو سلجھائیں گے نہیں تو ہمارے سر میں درد ہو جائے گا۔" انہوں نے برش ڈریسنگ پر ڈالا تھا اور اسے لئے بیڈ کی طرف بڑھ گئے تھے۔
"ہم ہیں نہ سر دبا دیں گے۔"
اور فلو جو ہو جائے گا، اس کے ساتھ یہ پرابلم تھی اس لئے وہ اس معاملے میں احتیاط کر رہی نہیں پائی تھی کہ بال سوکھ جانے کا ہی انتظار کرتے وہ گیلے بال ہی سلجھا لیتی تھی، کیونکہ گیلے بال اس کے سر میں درد کر دیتے تھے اور ایسے سو جاتی تھی تو فلو کی شکایت ہو جاتی تھی، وہ تو اتنی رات میں بھی کبھی نہیں نہاتی تھی، آج تھکن کی وجہ سے ایسا کیا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ خود کو آرام دینے کی چاہ میں وہ بے حد بے آرام ہو گئی ہے، کیونکہ اسے بھیگے بال جتنے سخت اریٹیٹ کرتے تھے، ماہن شاہ کو اس کے بھیگے بھیگے گیسو اتنے ہی پسند تھے اور ان کی وجہ سے اکثر اسے درد اور فلو کو دعوت دینی ہی پڑتی تھی اور آج بھی یہ دعوت یقینی تھی۔
"ناک دبا دیں گے۔" انہوں نے شوخی

سے کہتے ہوئے اس کی ناک کھینچی تھی۔
''آپ بہت برے ہیں ماہن!''
''جیسے بھی ہیں اب تو صرف آپ کے ہیں، زیادہ برے ہیں تو کہیے ہم اپنے لئے ایک بری بیوی ڈھونڈ لیتے ہیں، کیونکہ آپ تو بہت اچھی ہیں نہ، ہم ہی برے ہیں۔'' ان کی انگلیاں بڑی سرعت سے اس کے سر میں چل رہی تھیں۔
''ڈھونڈ کر تو دیکھئے جان سے مار دیں گے۔'' وہ خفا ہوئی تھی اور انہوں نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا۔

☆☆☆

''میں آپ سے شرمندہ ہوں۔'' افگن شاہ کو جب ملازم نے کہا تھا کہ ان سے سانول شاہ ملنا چاہتا ہے وہ حیران سے مردان خانے میں چلے آئے تھے اور وہ سلام دعا کے بعد اپنے مطلب کی بات پر آ گیا تھا۔
''آپ کی شرمندگی آپ کے گناہ کا ازالہ نہیں کر سکتی سانول شاہ، جو حرکت آپ نے کی ہے اس کے بعد تو ہم آپ کی جان لینے کا حق رکھتے تھے، مگر مصلحت کے تحت۔''
''آپ جان لینا چاہتے ہیں تو بصد شوق لیجئے، یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ میری وجہ سے کسی کی کردار کشی ہو یہ مجھے منظور نہ تھا، اس دن جو کچھ ہوا اس میں صرف میری غلطی تھی، وہ اس سب میں انوالو نہیں تھیں۔''
''ہم جانتے ہیں سانول شاہ، ہمیں اپنی بچی پر بھروسہ ہے اور ان کے کردار پر یقین رکھتے ہیں، اس کے لئے ہمیں کسی اجنبی کی گواہی کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔'' افگن شاہ کا لہجہ نہایت دھیما مگر سرد تھا اور وہ نہایت ششدر سا ان کو دیکھ رہا تھا۔
''ماہن شاہ، کاری ایکشن۔''
''کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا، ماہن کی جگہ آپ ہوتے تو آپ کا ری ایکشن بھی وہی ہوتا، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ ماہن کو اپنی بہن پر بھروسہ نہیں ہے، آپ نے یہاں آنے کی ناحق زحمت کی سانول شاہ۔'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کہے تو کیا؟ اور وہ سنجیدگی سے دوبارہ گویا ہوئے تھے۔
''سانول شاہ ہم نے آپ کی پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر اس قصہ کو درگزر کر دیا ہے اور امید کریں گے کہ آپ اپنی غلطی کو دہرائیں گے نہیں۔''
''میں آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا اور انہیں ہرگز بھی حیرانگی نہیں ہوئی تھی۔
''یہ خیال مجھے نہ یہاں بیٹھے بیٹھے آیا ہے نہ اس دن کالج میں آیا تھا، میں نے انہیں اتفاقی طور پر دیکھا تھا اور یہ فیصلہ اسی وقت کیا تھا، سائیں سے بات کی اور وہ انکاری ہو گئے تھے، دشمنی کو وجہ بنایا تھا اور میرے ہی کہنے پر بابا سائیں نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا، اب میں یہ نہیں جانتا کہ ایسا انہوں نے صرف میری محبت میں میری خواہش و خوشی کو مدنظر رکھ کر کیا یا اس سب کے پیچھے ان کا اپنا بھی کوئی مقصد ہے۔''
''آپ یہ سب ہم سے کیوں کہہ رہے ہیں؟''
''صرف اس لئے کہ بابا سائیں نے آج نہیں تو کل آپ سے رشتے کی بات کرنی ہی ہے، آج مجھے موقع ملا ہے تو میں اسے گنوانا نہیں چاہتا، میں انہیں پسند بلکہ محبت کرتا ہوں، میرے جذبوں میں میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے، بابا سائیں مفاد پرستی میں رشتہ ڈال سکتے ہیں، لیکن میری صرف خوشی ہے، یہ سب اس لئے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ جب رشتہ آپ تک آئے تو آپ ذرا انکار نہ کریں، میرے بارے میں جس طرح کی تسلی چاہیں گے وہ دینے کو تیار ہوں اور اس سے بھی آپ مطمئن رہیے گا کہ آج کی میری اور آپ کی ملاقات یا کالج میں جو کچھ ہوا کسی کے علم میں آئے گا، کیونکہ جس لڑکی کو میں اپنی عزت بنانا چاہتا ہوں، اس کے کردار پر میں حرف کبھی نہیں آنے دوں گا اور یہی سبب مجھے آپ تک لایا ہے، ورنہ خود سے بات کرنی ہوتی تو بابا سائیں کو انوالو نہ کرتا، اب میں اجازت چاہوں گا، میری گاڑی ٹھیک ہو گئی ہو گی، مجھے جانا ہو گا۔'' اس نے رسانیت سے اپنی بات ختم کی تھی اور ان کی جانب مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔
''میرے کردار میری ذاتیات کی چھان بین کرنی ہو تو موسٹ ویلکم اور آپ اس سب کے لئے ماہن شاہ کی مسز کے بھائی جواد علی کی بھی ہیلپ لے سکتے ہیں، جواد میرا کلاس فیلو ہے اور اس سے میری دوستی بھی ہے اور کسی بھی شخص کے بارے میں اس کے دوست اور دشمن سے بہتر کوئی کچھ نہیں بتا سکتا، اللہ حافظ۔'' افگن شاہ نے آگے سے کچھ نہیں کہا تھا وہ جانے کے لئے بڑھا تھا کہ خیال آنے پر مڑ کر بولا تھا اور نکلتا چلا گیا تھا اور ان کے لئے سوچوں کے کئی در وا کر گیا تھا، انہوں نے اپنی تسلی کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور اس سب سے فی الحال ماہن شاہ کو بے خبر ہی رکھا تھا کیونکہ وہ شاہنواز شاہ کی پیش قدمی سے پہلے کچھ نہیں بتانا چاہتے تھے اور سانول شاہ کی آمد کے تیسرے دن مہابت خان کے ذریعے شاہنواز شاہ نے افگن شاہ کی بیٹی کے لئے اپنے بیٹے سانول شاہ کا رشتہ دیا تھا، مہابت خان کی خود یہی خواہش تھی، مگر رفیعہ ان کو دبے لفظوں میں انکار کر گئی تھیں ایسے میں جب شاہنواز شاہ نے ان سے بات کی تو وہ اس قدم کو اٹھانے پر مجبور ہو گئے تھے، کیونکہ ان پر اپنی خواہش ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور نہ ان کا پیغام افگن شاہ تک پہنچانے میں مشکل کا شکار ہو سکتے تھے کیونکہ مہابت خان کی افگن شاہ سے رشتہ داری تھی اور ان کا سہارا لے کر شاہنواز شاہ نے دور اندیشی کا ثبوت دیا تھا اور وہ ان پر اپنی کمزوری ظاہر کر ہی نہیں سکتے تھے، ماہن شاہ کو جب پتہ چلا تو وہ انکاری ہو گئے تھے مگر انہوں نے بیٹے کو بڑے تحمل سے سمجھایا تھا اور یہ ایک حقیقت ہی تھی کہ سانول شاہ ہر لحاظ سے آئیڈیل شخص تھا، افگن شاہ نے بہت سوچ سمجھ کر مہابت خان کے ذریعے ہی مثبت جواب پہنچا دیا تھا، شاہنواز شاہ کی حویلی میں یہ خبر آگ کی طرح پھیلی تھی، مرد تو واقف تھے اور عورتیں انگشت بدنداں مگر کوئی بھی شاہنواز شاہ کے سامنے منہ نہیں کھول سکا تھا، شاہنواز شاہ کی ماں نے کہا تھا کہ معصومہ، سانول شاہ کی منگ ہے ایسے میں ان کی کہیں اور شادی مناسب نہیں ہے اور رواج کے بھی خلاف ہے، مگر وہ ماں کو بھی چپ کروا گئے تھے اور بڑی شان سے بیٹے کا رشتہ لے کر افگن شاہ کی حویلی پہنچے تھے عورتیں خوش نہیں تھیں مگر بولی کچھ نہیں تھیں اور رواج کے مطابق سانول شاہ کی ماں نے عائشہ کو سرخ رنگ کی چنری اوڑھائی تھی اور دادی نے ڈائمنڈ کی رنگ باقی ساتھ آئی عورتوں نے منہ میٹھا کروایا تھا، مبارک سلامت کے شور کے ساتھ گاؤں کی عورتیں ڈھولک کی تھاپ پر مقامی گیت گانے لگی تھیں، شاہنواز شاہ، اسی ماہ شادی چاہتے تھے کیونکہ ان کی حویلی میں پہلے ہی شادی کے ہنگامے جاگے ہوئے تھے اور انہیں ہنگاموں میں وہ سانول شاہ کے سر پر سہرا سجا دینا چاہتے تھے، افگن شاہ اتنی جلدی پر معترض تھے مگر وہ ان سے اپنی بات منوا کر ہی رہے تھے اور یوں رجب کی اٹھارہ تاریخ نکاح اور رخصتی کے لئے مقرر ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''عائشہ! آپ رو رہی ہیں؟''

"بھابھی سچ ہمیں یہ شادی نہیں کرنی ہے۔" وہ جو اسے روتے دیکھ کر پریشان تھی اس کی بات سن کر تو وہ گھبرا گئی تھی۔

"عائشہ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، ایسی بات تھی تو آپ پہلے کہتیں، اب کچھ نہیں ہو سکتا، وہ لوگ ابھی ابھی تو منگنی ہی نہیں شادی تک کی تاریخ طے کر گئے ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں کہ شادی نہیں کرنی۔" وہ دروازہ بند کر کے آ گئی تھی اور اس کے آنسوؤں سے بھیگتے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"بابا سائیں! نے آپ سے پوچھا تھا کہ ایسی کوئی بات تھی تو آپ کہتیں، آپ نے تو اماں سائیں تک سے کچھ نہیں کہا۔"

پرپوزل کی بابت رفیعہ نے اس سے پوچھا تھا اور وہ شرم و جھجک کے مارے کچھ کہہ نہیں سکی تھی اور جب افگن شاہ نے خود بات کی تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی اور وہ محض اثبات میں گردن ہلاتی سارے فیصلے کے اختیارات ان دونوں کو سونپتی وہاں سے اٹھ گئی تھی، شمسہ کی ماما کی طبیعت خراب تھی اس لئے وہ کچھ دنوں سے میکے گئی ہوئی تھیں اس لئے وہ بھابھی سے بھی کچھ نہیں کہہ سکی تھی، ماہن شاہ نے اسے فون پر بتا دیا تھا اور جب وہ باقاعدہ رسم کرنے آتے تو وہ گاؤں آ گئی تھی، کل چار بجے آئی تھی اور آتے ہی مصروفیت اتنی رہی کہ عائشہ اس سے بات نہیں کر سکی اور آج جیسے ہی موقع ملا وہ کہہ گئی تھی۔

"ہم اماں سائیں سے کچھ نہیں کہہ سکے تھے، بابا سائیں سے کیسے کہتے اور آپ بھی تو یہاں نہیں تھیں۔" وہ سوں سوں کر رہی تھی۔

"آپ ہمیں فون کر دیتیں۔"

"ہمیں خیال آیا تھا اور ادا سائیں کے سیل سے آپ کا نمبر ڈائل بھی کیا تھا، مگر کسی لڑکے کی آواز سن کر فون بند کر دیا، آپ پلیز کچھ کیجئے بھابھی، ہمیں یہ شادی نہیں کرنی ہے۔"

"اب کچھ نہیں ہو سکتا ہے عائشہ، بات پورے گاؤں میں پھیل گئی ہے، مگر آپ ایسا کیوں نہیں چاہتیں؟ بابا سائیں اور آپ کے ادا نے بہت سوچ سمجھ کر ہی اس رشتہ کو قبول کیا ہے۔"

"ہم ایک الزام لے کر ساری زندگی نہیں جی سکتے بھابھی، ادا سائیں اور بابا سائیں ہمیں غلط......"

"ایسا کچھ نہیں ہے عائشہ، وہ آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور بات تو صاف ہو گئی تھی کہ اس سب میں آپ کا کوئی قصور تھا ہی نہیں، سکینہ نے خود ساری سچائی بتائی تھی۔" وہ جو ڈر گئی تھی اس کے خدشے سن کر کچھ ریلیکس ہوئی تھی۔

"پھر بھی بھابھی ہمیں ان سے شادی نہیں کرنی ہے۔"

"پلیز عائشہ بار بار ایسی بات نہ کریں جو ہو نہیں سکتی، انکار کا اختیار تھا آپ کے پاس، بابا سائیں روشن خیال، انہوں نے آپ کی مرضی پوچھی تھی، جو آپ کسی بھی وجہ سے کہہ نہیں سکتیں، لیکن اب خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینا آپ کی مجبوری ہے، ہمیں دیکھیے آپ کے ادا سے ہماری شادی کتنی ارجنٹ لی ہوئی، ہم یہاں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے، آپ کے ادا سے یہاں کے ماحول سے خوفزدہ تھے، مگر اپنی لائف میں ہم سیٹ ہو گئے، آپ کی بھی لائف انشاء اللہ سیٹ ہو جائے گی، کم از کم آپ کو یہاں کے رسم و رواج، پابندیوں کا پتہ تو ہے، آپ کو ایک حویلی سے نکل کر دوسری حویلی میں جانا ہے، ہم نے تو شہر سے گاؤں تک کا سفر کیا، آزادی سے قید تک کا، ہمارے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم یہاں قید ہیں، ہم نے یہ لفظ صرف اس لئے یوز کیا کہ ہماری لائف پہلے ڈیفرنٹ تھی، ہم آزادی سے ہر جگہ آتے جاتے تھے، آپ کی لائف ٹوٹلی ڈیفرنٹ ہے، ہم کہیں آتے جاتے نہیں ہیں، شرعی پردہ کرتے ہیں اور آپ کو یہ سب کرنا نہیں پڑے گا، کیونکہ آپ آل ریڈی یہ سب کر رہی ہیں، یعنی آپ کی لائف میں کوئی بہت بڑی تبدیلی نہیں آئے گی، جبکہ شادی کے بعد تو لڑکی کی زندگی میں تبدیلی کسی حد تک آ ہی جاتی ہے، وہ تبدیلی آپ کی لائف میں بھی آئے گی اور اسے قبول بھی آپ کو کرنا پڑے گا۔" وہ اسے رسانیت سے سمجھا رہی تھی، وہ سمجھی تھی یا نہیں خاموش ضرور ہو گئی تھی اور کچھ ہی دنوں میں حویلی میں ہنگامے جاگ اٹھے تھے اور وہ ہزار خدشے وسوسے اور کسی حد تک سانول شاہ کے لئے اپنے دل میں بدگمانی لئے رخصت ہو گئی تھی۔

☆☆☆

نہ جانے کون کون سی اور کیسی کیسی رسموں کے بعد اسے سانول شاہ کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا، اس کا دل وحشت سے اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی، تین شادیاں یک ساتھ ہوئی تھیں، سانول شاہ سب سے بڑا تھا اس لئے پہلے اس کی رسمیں ہو رہی تھیں، خدا خدا کر کے رسمیں ختم ہوئی تھیں اور ساری عورتیں اس کمرے میں سے نکل گئی تھیں سوائے ایک کے۔

"یہ مت سمجھنا بھر جائی کہ تو رخصت ہو کر یہاں آ گئی ہے تو ہم تجھے بسنے بھی دیں گے۔" اس نے نیند سے بوجھل آنکھیں بولتی ہوئی عورت پر ٹکائی تھیں اور جبھی کمرے کے کھلے دروازے سے ایک لڑکی داخل ہوئی تھی اور خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ معصومہ شاہ ہے، ادا سانول کی بچپن کی منگ۔" زینت نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کا تعارف کروایا تھا اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔

"تو نے میرے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے، میرے سانول کو مجھ سے چھینا ہے، جس سیج پر آج تو بیٹھی ہے اس پر ازل سے صرف میرا حق تھا، میں سانول کی منگ ہوں، مگر یہ سیج میرے لئے نہیں آج تیرے لئے سجی ہے اور میں تجھے اپنی خوشیوں کی راکھ پر سکون سے سونے نہیں دوں گی۔" معصومہ حد درجے نفرت سے پھنکاری تھی اور جنونی انداز میں ساکت بیٹھی عائشہ کو بیڈ سے نیچے گھسیٹ لائی تھی زینت اسے روک گئی تھی۔

"پاگل ہوئی ہے معصومہ تیری اس تخریب کاری کا کسی کو پتہ چلا۔" وہ اس کو بمشکل قابو کیے ہوئے تھی، جبکہ وہ تو سیدھی تک نہیں ہو سکتی تھی، درد کی شدید لہر اس کے وجود میں سرایت کر رہی تھی۔

"پتہ چلتا ہے تو چلے مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے، میری کسی نے کب پرواہ کی جو میں کروں، اس کمینی میسنی کو ویاہ کر لے آئے۔" وہ بمشکل چکراتے سر کو تھامتی اٹھی تھی اور اس نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں موجود ہار ایسے کھینچا تھا کہ وہ اس کی دودھیا گردن زخمی کرتا اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا جو اس نے اٹھا کر دور پھینک دیا تھا۔

"یہ سب مت کر معصومہ تجھے ادا سانول زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" زینت کو خوف سا آنے لگا تھا۔

"تیرے ادا سانول نے مجھے زندہ رہنے جوگا چھوڑا ہی کب ہے، یہ حسین ہے تو میں کون سی بدصورت ہوں، اس کے پاس ایسا کیا ہے ادی کہ سانول نے مجھ پر اسے فوقیت دی۔" وہ گردن پر ہاتھ رکھے ان دونوں کو آپس میں الجھتے دیکھ رہی تھی، اس نے ابھی تک ایک لفظ نہیں کہا تھا کیونکہ اس کی انہوں نے سنی ہی کب تھی۔

"تو یہ سب کرے گی اور ادا سانول کو ذرا

بھی شک ہو گیا تو تیری خیر نہیں، بے شک آج یہ ادا سانول کی سیج سجائے گی مگر آنے والے وقت میں تو نے ان کا بن ہی جانا ہے۔" وہ اسے جنونی کیفیت سے نکالنا چاہ رہی تھی مگر اس پر اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

"نہیں بننا ہے مجھے سانول کی دوسری بیوی، اسے بھی تو وہ اپنی دوسری بیوی بنا سکتا تھا، مگر نہیں اس نے اسی ناگن کو مجھ پر فوقیت دی اسے مجھ سے اعلیٰ مقام دے دیا، مجھ سے شادی کے بعد سانول ایک تو کیا ہزار شادیاں کرتا، میں نے اسے کون سا روک لینا تھا ادی، مگر اس نے مجھے تو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکا، دیکھ ادی آج تو اپنی آنکھوں سے دیکھ اس ناگن کو، جس نے مجھ سے میرا سانول میرا سہاگ چھین لیا، بچھڑ گیا مجھ سے میرا سانول، صرف اس کی وجہ سے اور میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" وہ زینت کا ہاتھ جھٹکتی ہوئی اس پر جھپٹی تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے یہاں۔" سانول شاہ کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی تھی، زینت کی تو خوف کے مارے حالت خراب ہونے لگی تھی، جبکہ وہ تو اس سے سے جیسے بے نیاز ہی ہو گئی تھی، ایک جھٹکے سے سانول شاہ نے معصومہ کو کھینچا تھا اور وہ گلے پر ہاتھ رکھے کھانسنے لگی تھی ایک زور دار تھپڑ اس نے معصومہ کے گلابی گال پر جڑا تھا، وہ تو پہلے ہی بپھری ہوئی تھی رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی۔

"تو نے مجھ پر اس کی وجہ سے ہاتھ اٹھایا سانول، تجھے میں کبھی معاف نہیں کروں گی، تو بھی میری طرح خوشبوؤں کو ترسے گا۔" وہ کسی انجام کی پرواہ کیے بغیر بڑی بے خوفی سے اس کا نام لے رہی تھی اور وہ اس کو مارنے کو لپکا تھا کہ زینت راہ میں آ گئی تھی اور زبردستی اسے باہر لے جانے لگی تھی کہ وہ بددعاؤں پر آ گئی تھی، وہ آگے بڑھا تھا اس کا بازو سختی سے دبوچا تھا اور اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا باہر بڑھا تھا۔

"بابا سائیں! سنبھالیں اپنی بھانجی کو آج کے بعد میرے کمرے کے آس پاس دکھائی دینے کی غلطی کی، یا میری بیوی کو ایک لفظ یا اس پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو میں اسے جان سے مار دوں گا۔" سانول شاہ کا غصہ دیکھنے لائق تھا اس نے معصومہ شاہ کو اپنے باپ کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔

"اور یہاں موجود سب لوگ کان کھول کر سن لیں کسی نے کبھی میری بیوی کے ساتھ غلط رویہ اپنانے کی کوشش بھی کی تو میں اس حویلی کو چھوڑ دوں گا، اپنی بیوی کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا، اسے اس لئے نہیں لایا کہ جس کا جو دل چاہے کہے، اپنی اپنی بھڑاس نکالے، وہ سانول شاہ کی بیوی ہے اور سانول شاہ نے کبھی اپنی بے جان چیزوں کو دوسروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا تو پھر وہ جیتا جاگتا وجود ہے، میری بیوی ہے، بیوی اور اس کے حق کے لئے اس کے اختیارات کے لئے میں کسی بھی حد تک چلا جاؤں گا سب یاد رکھیے گا۔" وہ انگلی اٹھا کر طیش کے عالم میں ان سب کو وارننگ دیتا آندھی طوفان کی طرح راستے میں آئی ہر ایک چیز کو ٹھوکر لگاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا گیا تھا اور ساری حویلی کی عورتوں کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"تم لوگوں نے سن لی نہ سانول کی باتیں، کان کھول کر سن تو تم سب، تم لوگوں کے رویے سے تنگ آ کر سانول یہ حویلی چھوڑ گیا تو تم سب کو میں اس حویلی میں زندہ دفن کر دوں گا۔" شاہنواز شاہ دبنگ لہجے میں کہتے معصومہ اور اس کی ماں یعنی اپنی بیوہ بہن پر ایک تیز نگاہ ڈالتے ہوئے وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے نکل گئے تھے، سانول شاہ غصہ میں کمرے میں آیا تھا اور اسے نیچے آڑا ترچھا بے ہوش پڑا دیکھ کر وہ لپک کر اس تک پہنچا تھا، اسے اٹھا کر بستر پر ڈالا تھا، گال تھپتھپایا تھا، پانی کے چھینٹے مارے تھے مگر سب بے سود اور اس نے کمرے سے نکل کر ملازموں کو آواز دی تھی، لاجو، گل، افشاں سب اس کی ایک پکار پر چلی آئی تھیں۔

"لاجو رحیم کو فوراً لیڈی ڈاکٹر کو بلانے کے لئے بھیجو، فوراً کا مطلب فوراً۔" وہ جلدی سے پلٹ گئی تھی۔

"پتر کیا ہوا ہے سب خیریت۔"

"اماں سائیں آپ آرام سے جا کر سو جائیے آپ کے ہوتے ہوئے میری بیوی کو اس حال تک پہنچا دیا گیا، جب آپ کو پرواہ ہی نہیں ہے تو مجھے آپ کی اب مدد کی ضرورت ہرگز نہیں ہے، میں اپنی بیوی کا خود سے خیال رکھ سکتا ہوں۔" وہ نہایت طنز سے کہتا گل افشاں کو کمرے میں آنے کا کہتا واپس پلٹ گیا تھا اور جتنی دیر میں ڈاکٹر صاحبہ آئی تھی، گل افشاں اس کے سارے طلائی زیورات اتار چکی تھی۔

"سائیں آپ پریشان نہ ہوں خوف اور ٹینشن کی وجہ سے بی بی سائیں بے ہوش ہو گئی تھیں، میں نے سکون کا انجکشن لگا دیا ہے، یہ کچھ دیر تک ہوش میں آ جائیں گی۔" سانول شاہ نے لاجو کو اشارہ کیا تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحبہ کو چھوڑ آئے۔

"میں مردان خانے میں جا رہا ہوں تم یہی ٹھہرو، بی بی سائیں کا خیال رکھنے کے لئے، کسی قسم کی پریشانی ہو تو مجھے بلوا لینا۔" وہ ایک نظر اس کے سوئے وجود پر ڈالتا اپنے کمرے سے نکل گیا تھا، گل کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں لیکن وہ اس کے ڈر سے جاگتی رہی تھی یہ سوچ کر کہ وہ جاگ گئی اور اسے کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو سانول شاہ نے اسے بخشنا نہیں تھا۔

☆☆☆

"کیسی طبیعت ہے تمہاری۔" وہ جب کی سوئی ایک گھنٹہ قبل ہی اٹھی تھی، ماتھے اور گردن پر بینڈیج ہوئی تھی اور اسی لئے وہ صرف منہ دھو کر کپڑے تبدیل کر کے آ گئی تھی، فجر کی قضا نماز ادا کی تھی اور جائے نماز تہہ کر رہی تھی جب وہ ہلکی سی دستک دیتا کمرے میں آیا تھا اس نے گل افشاں کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے ناشتہ کمرے میں ہی لانے کو کہا تھا اور اسے دیکھنے لگا تھا، نماز کے لئے باندھے آتشی دوپٹہ کے ہالے میں اس کا گلابی چہرہ متورم لگ رہا تھا، اس نے دانتوں تلے لبوں کچلتے ہوئے محض اثبات میں گردن ہلائی تھی اور ایسا کرتے ہوئے درد کی لہر اٹھی تھی جسے وہ برداشت کر ہی گئی تھی جائے نماز رکھ کر پلٹی تھی کہ اسے حصار میں قید ہو گئی تھی۔

"کل جو کچھ بھی ہوا اس سب کے لئے معذرت، لیکن آئندہ وہ سب نہیں دہرایا جائے گا۔" وہ اس کی کمر میں بازو حمائل کیے بڑی اپنائیت سے بولا تھا اور وہ نگاہ تک اٹھا نہیں پا رہی تھی، وہ اس کی اتنی قربت میں حیا سے سمٹے جا رہی تھی۔

"اب تو تم مجھ سے بات کرو گی نہ۔" شرارت سے پوچھتے ہوئے وہ دوپٹہ کھولنے لگا تھا۔

"قسم سے عائشہ! تم نے پہلی ہی نظر میں مجھے اپنا دیوانہ بنا دیا تھا۔" اس نے دوپٹہ صوفے پر اچھال دیا تھا، وہ دور ہونے لگی تھی اور اس نے اسے آہستگی سے بیڈ پر دھکیل دیا تھا۔

"تمہاری آنکھوں میں خوف بہت بھلا لگتا ہے۔" اس نے عائشہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تھا۔

"یار کچھ تو کہو تمہاری سریلی آواز سننے کو میری سماعتیں بے چین ہیں۔" وہ کچھ بولنے کی

پوزیشن میں ہی نہیں تھی، جو روپ اس نے رات کو اس کا دیکھا تھا اسے، اس سے بہت زیادہ خوف محسوس ہو رہا تھا، کیونکہ اس طرح تیز سخت لہجوں میں اس کی حویلی میں بات نہیں کی جاتی تھی، اس نے بیڈ سے لٹکتے پیر اوپر کیے تھے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں بستر پہ جماتے ہوئے پیچھے کھسکتی جا رہی تھی، سانول شاہ کی نگاہ اس کے پاؤں میں موجود پازیب پر پڑی تھی اور اس کے کانوں میں کافی دن پہلے عائشہ کی کہی بات گونجی تھی۔

''تم نے ایک پائل کیوں پہنی ہوئی ہے؟'' اس نے یہ بات دو دفعہ پوچھی تھی۔

''دوسری کھو گئی ہے۔'' وہ مرے مرے لہجے میں بولی تھی۔

''کہاں؟''

''ہمیں نہیں پتہ۔'' اسے معلوم ہوتا تو تلاش نہ لیتی۔

''یہ تمہارے لئے اتنی خاص کیوں ہے کہ تم نے اسے اتارنا گوارا نہیں کیا؟'' کچھ دیر پہلے والی شوخی و برجستگی غائب تھی۔

''جواب دو، کس نے دی تھی تمہیں۔'' اب کے قدرے سختی سے پوچھا تھا۔

''ریان! ہمارے بھتیجے ریان نے۔'' وہ یکدم ڈھیلا پڑ گیا تھا، جبکہ خوف سے اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی اور اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اس کی پازیب نکالی تھی، پاؤں میں پہنانے لگا تھا کہ وہ پاؤں کھینچ گئی تھی۔

''نہیں ہمیں نہیں چاہیے۔''

''یار تمہاری ہی پائل ہے، تم بھاگ گئی تھیں تو مجھے وہاں سے پڑی ملی تھی، وہی لوٹا رہا ہوں، منہ دکھائی نہیں دے رہا، وہ بھی دوں گا لیکن۔''

''ہمیں یہ اب نہیں چاہیے۔''

''لیکن کیوں۔'' وہ حیران تھا۔

''آپ کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں، نہیں چاہیے ہمیں اسے پھینک دیں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے پائل لے کر دور پھینک دی تھی اور وہ اس کی حرکت کا مطلب بالکل نہیں سمجھا تھا۔

''کیوں نہیں چاہیے تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری من پسند پازیب تم کو مل گئی ہے۔''

''یہ کھو گئی تھی سب کو پتہ ہے اب ہمارے پاؤں میں اسے کوئی دیکھے گا تو ہزار سوال ہوں گے اور ہم سب کو کیا کہیں گے؟''

''کہہ دینا کہ مجھے ملی تھی اور میں نے اب لوٹا دی ہے۔''

''آپ سمجھ کیوں نہیں رہے، آپ کی وجہ سے ہم پہلے ہی اذیت اٹھا چکے ہیں، لمحہ بھر کے لئے ہی سہی ادا سائیں نے ہم پر شک کیا تھا اور آپ اسے تقویت دینا چاہتے ہیں، ہم جب یہ کہیں گے کہ ہماری پازیب آپ نے لوٹائی ہے تو سوال نہیں اٹھے گا کہ یہ آپ کے پاس پہنچی کیسے؟ آپ کیوں ہماری زندگی بھر کی نیک نامی ہمارا کردار کو سوال بنا دینا چاہتے ہیں؟ ہمیں یہ پازیب بہت زیادہ عزیز رہی ہے، مگر اپنی عزت سے پیاری پھر بھی نہیں ہے۔'' وہ اب رو رہی تھی اور وہ ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا وہ جو لمحوں میں سوچ گئی تھی اور کہہ گئی تھی اس حد تک تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا نہ سوچ سکتا تھا، اس لئے بات ہی بدل ڈالی تھی۔

''میں نے وہ سب نہیں چاہا تھا، میں تو صرف اپنی محبت کا تم سے اظہار کرنا چاہتا تھا۔''

''محبت وحبت کچھ نہیں ہوتی کسی لڑکی کو راہ میں روک کر تنگ کرنا آپ کے نزدیک محبت ہے تو ہمیں ایسی محبت کی کبھی خواہش نہیں تھی، اگر ہمارے بابا سائیں لبرل سوچ کے حامل نہ ہوتے انہیں ہم پر بھروسہ نہ ہوتا، تو آپ نے تو ہمیں ان کی نظروں سے گرا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، ہم تو آپ سے شادی بھی نہیں کرنا چاہتے تھے، مگر بابا سائیں سے چاہ کر بھی نہیں کہہ سکے، ہمیں شرمندگی ہو رہی ہے کہ جس شخص کی وجہ سے ہمارا کردار مشکوک ہونے کو تھا ہم اسی کے بنا دیئے گئے، سب ہمارے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے؟'' وہ خدشات جو اس کے ذہن و دل میں سر اٹھا رہے تھے اس نے وہ اس کے سامنے کہہ دیئے تھے۔

''اور جب آپ کی منگیتر تھی تو آپ نے ہم سے کیوں شادی کی؟''

''دماغ خراب ہو گیا تھا اس لئے۔'' وہ بگڑ کر بولا تھا۔

''آپ کو پتہ نہیں ہے آپ کی وجہ سے ہمارا کتنا نقصان ہو گیا ہے اور آپ ہم پر ہی غصہ ہو رہے ہیں، ہم سے کبھی کسی نے اس لہجے میں بات نہیں کی اور آپ، اور آپ کی منگیتر انہوں نے ہماری کتنی انسلٹ کی، ہمیں بددعا سے بہت ڈر لگتا ہے اور انہوں نے ہمیں بددعا .....''

''او پلیز عائشہ چپ کر جاؤ، نہ جانے کیا کچھ کہے جا رہی ہو، میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا اور تمہارا کردار مشکوک نہیں ہوا ہے، میں خود تمہارے بابا سے ملا تھا، ان کو ساری بات بتا دی تھی، جہاں تک منگ کی بات ہے معصومہ میرے لئے کل بھی غیر اہم تھی اور آج بھی ہے، میں نے تم سے شادی کرنا چاہی تھی اور کر بھی لی، معصومہ سے مجھے شادی کرنا ہوتی تو کر لیتا، اس لئے اس سے تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ہم ان سے خوفزدہ نہیں ہے، ہمیں ان کی بددعاؤں سے ڈر لگ رہا ہے۔''

''وہ کوئی پیرنی ملانی نہیں ہے کہ اس کی بددعا ہمیں لگ جائے گی۔'' وہ اس کی فضول تکرار سے چڑنے لگا تھا۔

''آپ کو نہیں پتہ مظلوم کی بددعا عرش پر سنی جاتی ہے۔''

''وہ جو تمہارے ساتھ اتنا برا کر گئی وہ تمہیں مظلوم لگ رہی ہے۔''

''اور نہیں تو کیا، آپ ان کے منگیتر ہیں، وہ آپ کو چاہتی ہوں گی، کتنے خواب دیکھے ہوں گے انہوں نے آپ کے حوالے سے اور ہماری وجہ سے جو ادھورے رہ گئے، ہمیں اپنا آپ مجرم لگ رہا ہے۔'' وہ اس کو دیکھنے لگا تھا، وہ کافی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

''سب کا خیال ہے نہیں ہے تو میرا ہی نہیں ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں، رات وصل کی خواہش میں ہجر کی گھڑیاں کتنی مشکل سے کاٹی ہیں۔'' وہ اسکی ساری الجھنیں سب خدشات جان کر مطمئن ہو گیا تھا اور اس کا ہاتھ لبوں تک لے جاتے ہوئے شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

''آپ سمجھ نہیں رہے۔''

''سمجھا دو نا، محبت کی وصل کی کہانی، ملن کی قرب کی داستان۔'' اس نے پلکیں اس کے بے باک پیش آنکھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے جھکا دی تھیں۔

''چلو یہ تمہارے بس میں بھلے نہ ہو اقرا کی منزل طے کرنا آج تمہارے اختیار میں نہیں ہے کیونہ محبت فی الحال تم نے نہیں کی، یہ ساری داستان میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں، تاکہ تمہارے دل میں میری محبت میرا قرب جاگزین ہو جائے اور آنے والے دنوں میں، تمہارا وہ حال ہو کر رانجھا رانجھا کر دی نی میں آپے رانجھا ہوئی۔'' شوخی اور والہانہ پن سے کہتے ہوئے اس کی فرار کی ساری راہیں مسدود کر دیں تھیں اور اس کو فرار ہونا بھی نہیں تھا اس شعر کے مصداق، جینا یہاں مرنا یہاں، اس کے سوا جانا کہاں؟

☆☆☆

''رہنے دو بی بی کہیں تمہارے میاں کو برا ہی نہ لگ جائے۔'' یہ اس کی ساس تھیں، جنہوں نے کچن میں کام کرتی ملازمہ کو آواز دی تھی تا کہ اس سے چائے بنوا سکیں، عائشہ نے اپنی خدمات پیش کرنا چاہی تھیں تو وہ نہایت طنز سے بولی تھیں اور اس کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا جاتا تھا، حویلی کی کوئی عورت اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی، وہ آگے بڑھ کر بات کرنے کی کوشش کرتی تو بھی کوئی اس سے بات نہیں کرتا تھا، کسی کا کام کرنے کو بڑھتی تو اسی طرح کے کڑوے جوابات سننے کو ملتے کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی، جبکہ اسے خالی بیٹھنے کی عادت نہیں تھی ان کے ہاں چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے ملازموں کو پریشان نہیں کیا جاتا تھا جبکہ یہاں تو پانی کا ایک گلاس پینے کے لئے بھی ملازم کو بلایا جاتا تھا چاہے پانی سامنے ہی کیوں نہ رکھا ہو۔

''اماں سائیں! آپ ہم سے ایسے کیوں کہہ رہی ہیں، ہم آپ کے لئے ایک کپ چائے تو بنا ہی سکتے ہیں۔''

''رہنے دو بی بی میں تمہیں خوب سمجھتی ہوں اتنی معصوم ہو نہیں جتنا میرے سامنے بننے کی کوشش کر رہی ہو اور کیوں نہیں معصوم بنو گی، میاں جو مٹھی میں ہے، مگر اپنی چلتر بازیوں کو تم میاں تک ہی رہنے دو، میرا کام کرنے کو ہزار ملازم ہیں، تم سے اپنا کام کروا کے میں نے برا نہیں بننا کہ تم نے تو پیچھے ہٹ جانا ہے تمہارے میاں نے میری جان کھا لینی ہے۔'' وہ نہایت کڑوے لہجے میں اونچا اونچا بول رہی تھیں اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

''یہ اپنے مگر مچھ کے آنسو پونچھ لو، تماشا ویسے نہیں تو ایسے سہی۔'' انہوں نے چوٹ کی تھی اور وہ اٹھی تھی اور تقریباً دوڑتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی، راستے میں کسی چیز سے ٹھوکر لگی تھی گر جاتی کہ ادھر سے گزرتے محسن شاہ نے شانوں سے تھام کر گرنے سے بچا لیا تھا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نگاہ اس کے بے داغ شفیق چہرے سے ہوتی اس کے متناسب سراپے میں الجھ گئی تھی جبکہ وہ بری طرح کنفیوز ہوتی اس کے ہاتھ جھٹکتی وہاں سے نکلی تھی اور اس کی نگاہ کمر پر جھولتی سیاہ ناگن سی چوٹی کے خم اور بلوں میں ہی الجھ الجھ گئی تھی۔

''کچھ تو بات ہے سانول ایسے ہی دیوانہ ہوا نہیں پھر رہا تھا۔'' اس نے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا تھا، اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی معصومہ نے اس کے پرسوچ چہرے اور آنکھوں کو دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں موجود عجیب سی چمک اس نے صاف دیکھی تھی، وہ اس کی رنگین طبیعت سے بہت اچھے سے واقف تھی، آج کل وہ جتنا تنگ رہی تھی اس لحاظ سے ایک شیطانی سوچ بہت تیزی سے اس کے دماغ میں آئی تھی اور اس نے خوبصورت ہونٹوں پر بڑی شاطرانہ مسکراہٹ سمیٹ آئی تھی۔

''اوف، کیسی نظریں تھیں ان کی۔'' وہ ساس کی باتیں بھول محسن شاہ کو سوچ رہی تھی۔

''بہت گندی۔'' اس کے اندر سے کوئی بولا تھا اور ایک ناگواری سی اس کے وجود میں دوڑنے لگی تھی۔

''اکیلے بیٹھے بیٹھے کیا سوچا جا رہا ہے؟'' سانول شاہ کی آمد کا اسے بالکل پتہ نہیں چل سکا تھا اور وہ اس کے سامنے بیٹھا اس کا شانہ ہلا کر بولا تھا اور وہ گڑبڑا گئی تھی۔

''نہیں...... کچھ...... نہیں۔''

''ادھر دیکھو عائشہ، تم روتی رہی ہو۔'' اس نے عائشہ کا چہرہ اپنی طرف گھماتے ہوئے اس کی گلابی گلابی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''نہیں تو۔'' اس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

''صاف بتاؤ عائشہ کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''کہا نہ کوئی بات نہیں ہے، نہ ہم سے کسی نے کچھ بھی کہا ہے ہمیں بابا سائیں یاد آ رہے ہیں۔''

''چلو اٹھو میں تمہیں ابھی لے چلتا ہوں۔''

''ابھی، ابھی تو بہت رات۔''

''کہا نہ اٹھو ہم تمہارے بابا سائیں سے ملنے جا رہے ہیں۔'' اس کے تشویش کی جگہ بر ہمی لہجے میں در آئی تھی۔

''ہم صبح چلیں گے شاہ، ابھی جائیں گے تو سب پریشان ہو جائیں گے۔''

''سب کی پریشانی کی فکر ہے، میری پریشانی کا خیال نہیں ہے تمہیں اداس دیکھ کر میری جان پر بن آئی ہے اور تم نے مجھ کو ٹالنے کے لئے جھوٹ سہارا کیا ہے نہ۔'' وہ یکدم پینترا بدل گیا تھا اور اس کا موڈ ذرا سا بھی آف ہوتا تو ڈر سے اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

''نہیں ہم آپ سے جھوٹ۔''

''نہیں بتانا تو میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ، پاگل کر کے رکھ دیا ہے جب دیکھو منہ پر بارہ بج رہے ہوتے ہیں اور آنکھیں سرخی مائل، کب تک تمہارے آنسو پونچھتا رہوں، مجھ سے یہ ڈھکوسلے نہیں ہوتے۔'' وہ اٹھا تھا گھڑی اتار کر اچھال دی تھی، قمیض کے بٹن کھول کر قمیض اتاری تھی۔

''میں نہانے جا رہا ہوں، نائٹ ڈریس نکال کر دو، جب مجھے کچھ بتانا نہیں ہوتا تو میرے آنے سے پہلے رو دھو لیا کرو، مجھے ہنستی مسکراتی بیوی چاہیے نہ کہ روتی دھوتی، لے کر زندگی خراب کر دی ہے۔'' اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا قمیض دور اچھال کر پھینک دی تھی اور اس کی جان ہوا ہونے لگی تھی، وہ تو اپنی جگہ سے اٹھ تک نہیں سکی تھی۔

''کچھ بکواس کی ہے میں نے، اٹھو یہاں وہیں چپک گئی ہو۔'' وہ اس کی طرف گھومتے ہوئے دھاڑا تھا وہ بری طرح لرزنے لگی تھی، سانول شاہ ایک تیز نظر اس پر ڈالتا خود الماری میں سے نائٹ ڈریس نکالتا واش روم میں چلا گیا تھا۔

دروازہ اتنی زور سے بند کیا تھا کہ درو دیوار لرز اٹھے تھے اور وہ منہ ہاتھوں میں چھپائے بلک اٹھی تھی اور اسے یوں زور و شور سے روتا دیکھ اس کا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا، ٹاول پھینکا تھا۔

''تم آخر چاہتی کیا ہو؟ میں مر نہیں گیا ابھی جو یوں رو رو کر ماتم کر رہی ہو۔'' وہ اس کے سر پر کھڑا دھاڑا تھا، اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر بہت تڑپ کر اسے دیکھا تھا اور وہ گرنے کے سے انداز میں بستر پر بیٹھا تھا، اس کا غصہ اس کے متورم چہرے اور موٹی موٹی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں پر اڑن چھو ہوا تھا، اس نے عائشہ کے شانے پر دھیمے سے ہاتھ رکھا تھا اور وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی اور دھواں دھار روتی چلی گئی تھی۔

''بس یار چپ کر جاؤ، ورنہ میری سانسیں رک جائیں گی۔'' اسے بمشکل پانی کا گلاس تھمایا تھا اور جب وہ کچھ نارمل ہوئی تھی تو اسے زبردستی واش روم میں بھیجا تھا۔

''ہاں اب بتاؤ کیا بات ہے؟'' وہ اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا اور اس نے دھیمے دھیمے کہنا شروع کیا تھا۔

''شاہ ہمیں یہاں بہت غیریت کا احساس ہوتا ہے کوئی ہم سے بات تک نہیں کرتا۔'' وہ دھیرے دھیرے اسے سب کے برے رویے بتاتی چلی گئی تھی اور وہ تو سن کر ہی بھڑک اٹھا تھا۔

”میں ابھی جا کر بات کرتا ہوں۔“

”ہم نے آپ کو اب تک صرف اس لئے ہی نہیں بتایا تھا کہ آپ غصہ کریں گے اور لڑنے پہنچ جائیں گے۔“

”ہاں تو خاموشی سے بیٹھ جاؤں تم بیوی ہو میری تمہاری بے عزتی میں برداشت نہیں کر سکتا۔“ وہ تو بتھے سے ہی اکھڑ ہو چکا تھا۔

”آپ بات نہیں سمجھتے اور پلیز غصہ تو مت کریں۔“ اس نے گھورنے پر وہ لب کچلنے لگی تھی۔

”تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“ وہ دھیما پڑ گیا تھا۔

”آپ کے غصہ کی وجہ سے۔“

”اب اتنا بھی غصیلا نہیں ہوں۔“

”آپ ہیں، ہماری جان نکلنے لگتی ہے، ہم ہماری حویلی میں ایسا ماحول نہیں تھا، بھابھی سے سب بہت پیار وعزت سے پیش آتے ہیں اور یہاں ہم سے کوئی بات تک کرنا پسند نہیں کرتا، ہماری حویلی میں ملازموں سے بھی دھیمے لہجے میں بات کی جاتی ہے اور آپ غصہ میں ہم سے۔“ حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا تھا اور بات پوری نہیں کر سکی تھی۔

”پلیز عائشہ رونا شروع مت کرنا۔“ اس نے اسے رونے سے روکنا چاہا تھا۔

”تم روتی ہو تو چپ ہونے کا نام نہیں لیتیں اور مجھے غصہ آنے لگتا ہے، یار تم مجھے بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو، شادی کو تین ماہ بھی نہیں ہوئے، تم ہنس کر پیار سے میرا ابھی استقبال نہیں کرتیں، میرا بھی دل کرتا ہے کہ تم مجھے خوش ملو، اپنے انداز اور طریقوں سے مجھ پر ثابت کرو کہ میں تمہارے لئے اہم ہوں، تم بیوی ہو میری مگر مجھے ایسا کبھی نہیں لگتا، میں تو لگتا ہے صرف تمہاری آنسو صاف کرنے کو ہی رہ گیا ہوں۔“

”آئی ایم سوری بٹ ہم بھی کیا کریں سب کے رویے ہمیں ہرٹ کرتے ہیں اور ہم نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو ہرٹ کر جاتے ہیں، ورنہ یہاں ایک آپ ہی تو ہیں جس کو ہماری پرواہ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے ہمارا خیال کرتا ہے اور ہم یہ سب بہت پہلے کہہ دیتے آپ کے غصہ نے لیکن ہمیں خائف کر دیا تھا، ہمیں یہاں اچھا نہیں لگتا، آپ ہی بتایئے نہ کہ ہم کیا کریں؟ اماں سائیں ہیں تو وہ ہم سے خفا ہیں، آپ کی بہنیں، کزنز سب ہم سے ناراض ہیں، آپ کی پھپھو تو ہمیں ایسی نظروں سے دیکھتی ہیں کہ ہمارا مر جانے کو دل کرتا ہے، سب کو ہم بہت زہر لگتے ہیں اور.....“ وہ یکدم زبان دانتوں تلے دبا گئی تھی وہ اسے بولنے کا پورا موقع دیتا اسے بغور سن رہا تھا اس کے یکدم چپ ہو جانے کو فوراً ہی فیل کیا تھا۔

”اور کیا عائشہ بات مکمل کرو۔“

”ہم ایسی لڑکی نہیں ہیں شاہ۔“ وہ بڑی ہی الجھن میں تھی، دونوں ہاتھوں کی انگلیں آپ میں پھنسائے۔

”وہ..... وہ..... سب کہتی ہیں کہ ہم نے..... ہم نے آپ کو اپنی اداؤں کے جال میں پھنسایا ہے، آپ کو اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے ہم.....“ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بول رہی تھی اور اس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”او گاڈ تم اور مجھے اپنی اداؤں کے جال میں پھنساؤ گی، کبھی تمہاری ایک ادا میں نے نہیں دیکھی ان سب نے کہاں سے دیکھ لی، تم میں ادائیں ہوتیں تو بات ہی کیا تھی، میرے سارے شکوے ہی نہ مٹ جاتے۔“ وہ ہنستے ہنستے کہہ رہا تھا۔

”یہاں ہماری جان پر بنی ہے اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔“

”یار کہاں چھپا کر رکھی ہیں تم نے اپنی ادائیں اور ان اداؤں سے مجھے کب لبھانے کا ارادہ ہے۔“ وہ شوخی سے مخمور لہجے میں کہتا اس پر جھکا تھا اور وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑتی فاصلے پر ہو گئی تھی۔

”آپ کبھی ہماری بات نہیں سمجھتے۔“ اس نے ہمیشہ کا شکوہ دہرایا تھا۔

”میں تمہارے سارے شکوے دور کر دوں گا اور میں سب سے بات کروں گا، ہاں بابا، غصہ نہیں کروں گا، تم بھی وعدہ کرو اب بالکل نہیں روؤ گی؟“ اس کے دیکھنے پر اسے یقین دلایا تھا اور ساتھ مانگا بھی تھا۔

”یہ وعدہ تو ہم نہیں کر سکتے رونا ہمارے بس میں نہیں ہے، آنسو تو خود بہ خود ہی نکل آتے ہیں۔“ شرمندگی سے کہا تھا۔

”ور میں تمہاری جھیل سی آنکھوں اور کھارے پانی میں لگتا ہے کسی دن ڈوب ہی جاؤں گا۔“ اس کے آنسو پوروں پر چنتے ہوئے وہ ادا سے بولا تھا اور وہ جھینپ کر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

”آئی یو میڈ۔“ محسن شاہ اس کی غیر متوقع بات پر بیٹھے سے کھڑا ہو گیا تھا اسے امید ہی نہیں تھی کہ وہ ایسی کوئی بات بھی کر سکتی ہے۔

”ہاں پاگل تو تھی سانول شاہ کی محبت میں اور وہی محبت اب نفرت کے قالب میں ڈھل گئی ہے، مجھے اپنی توہین، اپنے ٹھکرائے جانے کا انتقام ہر حال میں لینا ہے، تم نے میرا ساتھ دینا ہے یا نہیں؟“ وہ سخت لہجے میں بے تاثر چہرے اور آنکھوں سے بولی تھی۔

”نہیں مجھے مرنا نہیں ہے، سانول نے مجھے جان سے مار دینا ہے۔“ وہ صاف انکار کر گیا تھا۔

”سوچ لو، اس میں تمہارا بھی کہیں نہ کہیں فائدہ ہی ہے۔“ اس نے باور کراتے لہجے میں کہا تھا۔

”مجھے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔“ وہ اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔

”ٹھیک ہے مجھے لگتا ہے کہ تم مان جاؤ گے، لیکن خیر میں کسی اور سے......“

”ان واہیات خیالات و سازشوں کو ذہن سے نکال دو معصومہ، سانول کو بھنک بھی پڑ گئی تو وہ تمہیں جان سے مار دے گا۔“ محسن شاہ نے اسے خبردار کرنا چاہا تھا۔

”معصومہ شاہ تو اسی دن مر گئی تھی محسن شاہ جب سانول شاہ نے اسے ٹھکرایا تھا، جس شب معصومہ شاہ سے اس کا سانول شاہ بچھڑا، اسی شب موت ہو گئی تھی، تمہارے سامنے انتقام اور نفرت سے ٹھاٹھیں مارتا فقط ایک وجود ہے، مجھے نہ جینے کی تمنا ہے نہ میں جی رہی ہوں، میری سانسیں صرف اس لئے چل رہی ہیں کہ میں سانول شاہ سے اس کی خوشیاں چھین سکوں اور تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو مجھے بہت مل جائیں گے، تمہارا خیال تو اس لئے آیا کہ تم ایک بھنورا صفت مرد ہو، ڈالی ڈالی منڈلانا تمہاری مجبوری ہے اور میں بس تمہاری اسی خوبی سے فائدہ اٹھانا چاہ رہی تھی مگر بے فکر رہو ایسے مجبور مجھے بہت مل جائیں گے۔“ اس کے انداز میں لاپرواہی اور نفرت کا اور وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا، وہ نہایت تیکھے نین نقش کی بہت حسین لڑکی تھی، نگاہ اٹھی تھی تو بس اٹھی رہ گئی تھی، وہ جانے کے لئے آگے بڑھی تھی اور وہ اس کی کلائی تھام گیا تھا، گداز گلابی بانہہ میں سجی کالی چوڑیاں لگتا تھا کہ بنی ہی اسی ہاتھ کے لئے تھی۔

”اگر میں تمہاری دشمنی نبھانے میں تمہارا ساتھ دوں گا تو مجھے کیا ملے گا؟“ اس نے بڑی تیزی سے اپنی کلائی آزاد کروائی تھی، اس کے لمس

کی حدت اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا، اب تک صرف شہری اور انگریز ماڈرن لڑکیاں اس کی زندگی میں آئی تھیں اور اس کی بیوی کے بعد دوسری لڑکی تھی جس نے اسے چونکایا تھا، یہ اور بات تھی کہ اس نے یہاں کے تمام مردوں کی طرح بیوی کو خاص نظروں سے نہ دیکھا تھا ہاں اس کی شرم و حیا اس کی جھجک اس کو چونکا ضرور گئی تھی، ورنہ اب تک تو اس کا واسطہ ایسی عورتوں سے پڑا تھا کہ وہ اگر ہاتھ پکڑتا تو وہ گلے سے آلگتی تھی۔

''جو تم کہو گے۔'' لہجے میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔

''سوچ لو، کہیں میں کہوں تو تم منع کر دو۔'' وہ اوپر سے نیچے تک اس کا جائزہ لے رہا تھا اور وہ گھبراہٹ کا شکار ہونے لگی تھی، بچپن سے اب تک کتنی ہی دفعہ ان کا آمنا سامنا ہوا تھا تھوڑی بہت بے تکلفی بھی تھی، مگر ان میں اتنی شرم و غیرت باقی ضرور تھی کہ گھر کی عورتوں کو چاہے ان سے شرعی رشتہ ہو یا نہیں، عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہ اور بات تھی کہ زندگی میں پہلی دفعہ وہ یوں اکیلے میں اس سے بات کر رہی تھی اور پہلی ہی دفعہ میں شیطان نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔

''نہیں تم کہہ کر تو دیکھو، میں سانول شاہ کی خوشیاں چھیننے اس کا غرور خاک میں ملانے کے لئے کسی بھی حد تک چلی جاؤں گی۔'' وہ اس کی نظروں سے جز بز ہوتی کڑے لہجے میں بولی تھی۔

''اور اس کھیل میں تمہارا غرور خاک میں مل گیا تو؟''

''میں سمجھی نہیں۔'' اس نے جھکی نظریں اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''میں تمہاری ہر ایک بات مان لینے کو تیار ہوں، جو تم کہو گی، جیسے کہو گی ویسے کرنے کو تیار ہوں، پکڑا گیا تو تمہارا نام بھی نہیں لوں گا، بس اس سب کے لئے تمہیں......'' رک کر اس کے حسین سراپے پر نگاہ دوڑائی تھی اور دھیمی سی مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ بات مکمل کر دی تھی، وہ یکدم چند قدم پیچھے ہوئی تھی، کچھ کہنے کی چاہ میں لب محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے تھے۔

''سوچ لو، میری بس یہی ایک شرط ہے۔''

وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوا تھا، وہ جو اس کی شرط پر لمحہ بھر کو سانس لینا بھول گئی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات یکدم پتھریلے ہو گئے تھے۔

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔'' ساکت رہ جانے کی اب اس کی باری تھی اسے یقین نہ تھا کہ وہ مان جائے گی کجا کہ اتنی آسانی سے، اس نے خود کو سنبھالا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تھا کہ وہ بدک کے دور ہو گئی تھی۔

''مجھے تر نوالہ مت سمجھنا محسن شاہ، میں کوئی گل افشاں نہیں ہوں میں نے شرط منظور کی ہے تو جب تم میرے منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دو گے تب تمہاری شرط مانی جائے گی۔'' وہ اسے کڑے تیوروں سے گھورتی حقارت سے بول رہی تھی۔

''جس دن وہ عائشہ سانول کی زندگی میں بے کار شے کی حیثیت اختیار کر گئی، نفرت کرنے لگے گا وہ اس کے اگلے لمحے کے بعد سے جب تم چاہو اپنی خواہش لئے مجھ تک چلے آنا، اس سے قبل اپنی اوقات میں رہنا۔'' وہ نہایت نفرت سے بولتی چلی گئی تھی۔

''تمہیں تو تمہاری اوقات میں بتا دوں گا بڑا ناز ہے تمہیں اپنے حسن و خوبصورتی پر مٹی میں نہ رول دیا تو میرا بھی نام محسن شاہ نہیں۔'' اس نے غصہ سے کھولتے ہوئے سر پر پرسوچ انداز میں ہاتھ پھیرا تھا اور بڑی ہی مکروہ مسکراہٹ مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

''کیا سوچ رہے ہیں؟''

''نہیں کچھ نہیں، آپ کی پیکنگ ہو گئی؟''

''ہاں تقریباً اور ویسے بھی زیادہ تر شاپنگ ہی کرنی ہے بچوں کے لئے نئے کپڑے خریدنا ہیں اور اپنے بھی اور ساتھ کی میچنگ کی کچھ چیزیں خرید لیں گے۔''

''ٹھیک ہے جو خریدنا ہو خرید لیجئے گا، جواد کے ساتھ چلی جایئے گا، یاد سے پیسے رکھ لیں، ورنہ آپ کو پرابلم ہو گی۔'' لاکر کی چابی دیتے ہوئے کہا تھا۔

''ہمیں سمجھ نہیں آ رہا کہ جواد کو گفٹ کیا دیں؟''

''نقد دے دیجئے گا۔''

''نہیں تحفہ کی بات ہی اور ہوتی ہے ہم سوچ رہے تھے کہ زونلہ کے لئے سیٹ۔''

''ہاں بھئی جو دینا چاہیں دیں اور ہمیں کم از کم خالص ان زنانہ باتوں سے دور رکھیں۔''

''ہن! آپ شادی میں شرکت تو کریں گے نا؟''

''ہاں بھئی یہ خیال کیوں آیا آپ کو۔''

''آپ کی غیر دلچسپی کی وجہ سے ہمیں لگتا ہے کہ شاید آپ جواد کو پسند نہیں کرتے۔'' بیگ کی زپ بند کر کے وہ انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''بات کچھ تو ضرور ہے ماہن۔''

''بات صرف اتنی ہے کہ جب جواد نے شادی کی ہوئی تھی تو اس نے گھر والوں کو بتایا کیوں نہیں اور آپ کی ماما نے بیٹے کی رضا جانے بغیر عائشہ کے رشتے کی بات کیوں کی؟ اگر ہم خود سے چھان بین کرنے کا فیصلہ نہ کرتے اور پہلے ہی بابا سائیں سے ذکر کر دیتے تو سوچا ہے کیا ہوتا اور پچھلے دنوں جو ہم آپ سے روڈلی ہی ہو گئے تھے اس کا سبب صرف جواد ہی تھے، کیونکہ ہم نے انکوائری کروائی تھی تو ہمیں ان کے نکاح کا پتہ چل گیا تھا، ذکر اس وقت نہیں کر سکتے تھے بس اس لئے فرسٹریشن بڑھتی جا رہی تھی اور جو آپ پر ہی نکل رہی تھی، ایک تو آپ سب سے نزدیک ہیں ہمارے دوسرا یہ کہ جواد کی بہن ہیں۔'' اس نے بھی انہیں جواد کی بتائی ہر بات بتا دی تھی، پہلے ذکر کرنا چاہا تھا وہ نے بغیر ٹال گئے تھے اور ان کی باتوں سے وہ پرسکون ہو گئے تھے۔

''اچھا آپ جا کر بچوں کو دیکھیں، پھر ہم نکلتے ہیں۔''

''ایک فرمائش کریں آپ سے؟''

''ایک کیوں جناب ہزار فرمائشیں کیجئے۔''

''وہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم شاپنگ پر آپ کے ساتھ جائیں۔''

''اور کچھ۔'' ایسے بولے تھے جیسے راضی ہوں۔

''آپ سچ میں ہمارے ساتھ چلیں گے؟''

وہ خوش ہو گئی تھی، ماہن شاہ کو شاپنگ وغیرہ سے بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی خاص کر عورتوں کے ساتھ جا کر ان کی خریداری کروانے میں، کیونکہ شہر سے جتنی بھی شاپنگ ہوتی تھی وہ کرنا ان ہی کو پڑتی تھی مگر اتنے سالوں میں وہ ایک دفعہ بھی شمسہ کو ساتھ نہیں لے گئے تھے نہ ان کو اجازت تھی، مگر اس دفعہ ان کے بہت کہنے پر انہوں نے اجازت دی تھی اور اب وہ دوسری اجازت طلب کر بیٹھی تھیں۔

''جی جناب! ہمیں آپ کی خوشی اپنی قدامت پسندی سے کئی گناہ عزیز ہے۔'' وہ بے پناہ خوش ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''بھرجائی، ایک کپ چائے تو مزیدار سی اپنے ہاتھ کی پلا دیں۔'' عائشہ دادی کے کمرے میں ان سے بات کر رہی تھی، محسن شاہ وہیں چلا آیا

تھا اور اپنائیت سے بولا تھا وہ اب ان سب میں گھلنے ملنے لگی تھی، اس کی نیت صاف اور خلوص سے بھری تھی جبکہ سب گھر والے بھی صرف سانول شاہ کی وجہ سے اس کا لحاظ کرنے لگی تھیں، کیونکہ اس وقت تو وہ خاموش ہو گیا تھا مگر بعد میں اس نے ہنگامہ تو نہیں کیا تھا مگر بات ضرور کی تھی اور اول شب کی دھمکی دہرا گئی تھی اور وہ سب سانول شاہ سے بھی واقف تھیں اور شاہنواز شاہ سے بھی اس لئے مجبور ہو گئی تھیں، محسن شاہ سے نہ جانے کیوں اسے چند دنوں سے گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی اور وہ اس سے اتنا ہی فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا، اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مارے مروت کے اٹھ گئی تھی۔

''تم نے کاہے کو سانول کی دلہن سے کہا، حویلی میں ملازم کم تو نہیں ہیں۔'' دادی اس کے جاتے ہی پوتے پر بگڑی تھیں،

''دادی سائیں! تو بڑی معصوم ہے، جب سانول نے صاف کہا ہے کہ ہم لوگ اس کی بیوی کو اہمیت نہیں دیتے، اس کے ساتھ کھلتے ملتے نہیں ہیں، دادی سائیں! بھرجائی اتنی سیدھی نہیں ہیں جتنا بننے کی کوشش کرتی ہیں، تم لوگوں کو چاہیے کہ اس سے اس کی طرح ملو، ہنس کر چاپلوسی سے اور اسی طرح اس سے کام نکلواؤ، منع کرے تو سانول سے شکایت نہ کرے تو بے دام کی غلام، کیونکہ آخر کو سانول کی شادی معصومہ سے ہونی ہی ہے، وہی اصل اس حویلی کی بہو ہو گی۔'' محسن شاہ نے جو کہا تھا وہ ان کے دل و دماغ پر لگ گیا تھا، اس نہج پر جا کر تو انہوں نے سوچا ہی نہ تھا۔

''تو کہتا تو ٹھیک ہے۔'' اسے آتے دیکھ کر اس نے جواب نہیں دیا تھا اور ٹرے میں سے کپ اٹھانے کی بجائے اس نے پوری ٹرے تھامنی چاہی تھی اور ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس نے، اس کے گلابی ہاتھوں کو ہلکے سے چھو لیا تھا، اس نے ہاتھ جلدی سے دور کر لئے تھے، وہ جوڑے تھام چکا تھا چھوڑ دی تھی، گرم چائے اس کے پاؤں پر گری تھی، وہ دیکھنے کو جھکا تھا اور وہ ایک نظر اس پر ڈالتی وہاں سے نکل گئی تھی، یہ سب کچھ نظیراں شاہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور وہ کچھ سوچتے ہوئے مسکرا دی تھی اور اس کے بعد تو سلسلہ سا چل نکلا تھا وہ زیادہ تر اپنے کام اسی سے کرواتی تھیں اور چھوٹی موٹی تکلیف بھی اسے پہنچا دیتی تھیں، اس نے کسی بھی بات کا سانول سے ذکر تک نہیں کیا تھا اور وہ آج کل شہر گیا ہوا تھا، بزنس تو اس نے شروع کرنے کا ارادہ کینسل کر دیا تھا ویسے ہی تفریح اور دوست کی شادی میں جانا تھا وہ گھر کی عورتوں کے رویے سے پریشان نہیں تھی، جبکہ اتنے ملازموں کی موجودگی میں ہر کوئی اپنے چھوٹے سے کام کے لئے بھی اسے آواز دینے لگے تھے اور وہ خندہ پیشانی سے سب کے کام کیے جاتی، وہ تو محسن شاہ کو لے کر پریشان تھی، وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھتا، کوئی ذومعنی جملہ کہہ دیتا تھا اور اس نے سوچ لیا تھا جیسے ہی سانول آئے گا وہ ضرور اس سے کہے گی مگر سانول بھی ایک ہفتہ کا کہہ کر مہینہ ہونے کو آیا تھا لوٹا نہیں تھا اسی لئے بھی اس کی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

☆☆☆

''سلام، ماما کیسی ہیں۔''

''میں ٹھیک ہوں، آپ نے بہت دیر کر دی؟''

''جی بس کچھ کام تھے۔'' وہ جواد کی شادی میں شرکت کے لئے آئے تھے۔

''آپ سفر سے آئے ہیں تھک گئے ہوں گے، شمسہ کمرے میں ہیں، وہیں چلے جائیں، میں چائے وہیں بھجوا دوں گی۔'' وہ ان کی اجازت سے شمسہ کے روم کی طرف بڑھے تھے اور دستک دینے لگے تھے کہ کچھ سوچتے یونہی دروازہ کھول دیا تھا اور ان کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

''آ...... آپ...... کب آئے؟''

''ہمیں پتہ ہوتا کہ آپ اتنا شاندار ہمارا استقبال کریں گی تو ہم کب آ چکے ہوتے۔'' وہ اسے شانوں سے تھامے مخمور لہجے میں بولے تھے اور اس کی نگاہ اٹھنے سے انکاری ہو گئی تھی، وہ جو ساڑھی کا پہلو سیٹ کر رہی تھی یکدم ان کو سامنے دیکھ پلو ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور وہ دلچسپی سے اسے دیکھتے اس پر جھکے تھے اور وہ ان کے ہاتھ ہٹاتی رخ موڑنے لگی تھی کہ انہوں نے کوشش ناکام بناتے ہوئے گرے ہوئے پلو کو اٹھا کر کاندھے پر رکھا تھا۔

''قیامت لگ رہی ہیں آپ۔''

''آپ تھک گئے ہوں گے۔''

''آپ کو دیکھ کر ساری تھکن اتر گئی ہے۔''

سیاہ جھلملاتی ساڑھی میں نک سک سے تیار وہ بہت زیادہ حسین لگ رہی تھی، اتنی دلکش انہیں وہ شادی کی شب کے بعد فرسٹ ٹائم لگی تھی کیونکہ وہ حویلی میں وہاں کے طور طریقوں کو فالو کرتی تھی، مقامی ڈریس زیادہ پہنتی تھی، میک اپ وغیرہ اسے زیادہ پسند نہیں تھا اور آج تو اس کی ادا ہی نرالی تھی۔

''آپ کو ہمارا سرپرائز برا تو نہیں لگا۔''

ساڑھی اسے بے حد پسند تھی ایک دفعہ ماہن سے ذکر بھی کیا تھا اس نے ٹال دیا تھا تو اس نے دوبارہ بھی نہیں کہا تھا اور یہ ساڑھی اس کی ماجانی نے اسے زبردستی دلائی تھی اور اس نے یہ سوچ کر پہن لی تھی کہ ماہن منع کریں گے تو وہ چینج کر لے گی۔

''ہمیں یہ لباس پسند نہیں ہے۔''

''ہم چینج کر لیتے ہیں۔''

''نہیں، آپ اچھی لگ رہی ہیں۔'' اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

''آپ ناراض تو نہیں ہیں کہ ہم نے آپ کی اجازت کے بغیر......''

''نہیں کیونکہ ہمیں اپنی شمسہ پر بھروسہ ہے کہ وہ کچھ غلط کر نہیں سکتیں اور نہ ہی ایسا ویسا کچھ سکتی ہیں، بال کھول لیں اچھے لگتے ہیں ہمیں۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے شوخی سے اس کی لٹ کھینچی تھی اور وہ مطمئن سی ہنس دی تھی، جواد کی آج برات تھی اور صرف شمسہ کی وجہ سے کہ وہ شرعی پردہ کرتی ہے، مرد اور عورتوں کا علیحدہ انتظام کیا گیا تھا، اس لئے اس نے اتنے آرام سے اتنی تیاری کر لی تھی۔

''آپ نے آج ہمارے ہوش اڑا دیئے ہیں، تقریب میں جانے کا بھی دل نہیں کر رہا ہے۔'' وہ وارفتگی سے اس کو دیکھ رہا تھا اور دروازہ پر دستک ہوئی تھی تو وہ بے اختیار ہنستی چلی گئی تھی اور وہ بھی ہنس دیئے تھے۔

''کسی دن دروازے ہی توڑ دیں گے، رومینس کا ماحول بنتا ہی ہے کہ بجنے لگتا ہے۔''

''جناب انتظار میں مزہ ہوتا ہے، ہم نے پندرہ دن آپ کا انتظار کیا ہے آپ کچھ گھنٹے تو ہمارا انتظار کر ہی سکتے ہیں۔'' وہ ان کی جھنجلاہٹ سے حظ اٹھاتی دھیمے سے بولی تھی اور دروازہ کھول دیا تھا، ملازمہ چائے کے ساتھ لوازمات لے کر آئی تھی۔

☆☆☆

''واہ بھرجائی، مزا آ گیا، خوب ذائقہ ہے آپ کے ہاتھوں میں، آپ نے تو دل ہی خوش کر دیا۔''

''جی شکریہ۔''

''ارے کہاں جا رہی ہیں، ہمارے ساتھ کھائیں گی نہیں۔'' اس نے کمال جرأت کا

مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

’’آپ۔‘‘ ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی، کسی کمرے سے معصومہ نمودار ہوئی تھی اور اس نے اسے جانے دینے کا اشارہ کیا تھا۔

’’ہرجائی! ہاتھ بڑے خوبصورت ہیں نرم و ملائم۔‘‘ وہ سخت جملہ کہنے لگی تھی کہ معصومہ کو دیکھ کر لب بھینچتی وہاں سے بھاگی تھی۔

’’کیوں روکا، آج زبردست موقع......‘‘

’’زبردست موقع تو اب آیا ہے، تم سانول کے کمرے میں جاؤ، میں یہی بتانے آئی تھی کہ سانول شہر سے آ گیا ہے، وہ اب سیدھا اپنے کمرے میں جائے گا اور تم وہاں پہلے سے موجود ہو گے تو ہمارا منصوبہ پوری طرح سے کامیاب ہو جائے گا۔‘‘ وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔

’’تمہیں اپنی شرط تو یاد ہے نہ۔‘‘

’’ہاں، یاد ہے ابھی وہ کرو جو کہا ہے۔‘‘ وہ اپنے رخسار سے اس کا ہاتھ جھٹکتی ناگواری سے پلٹ گئی تھی۔

’’تم اور میرے جسم تک رسائی حاصل کرو گے، میرا دل میری جسم و جاں صرف سانول شاہ کے لئے ہے، بے وفائی اس نے کی ہے ہرجائی ہے تو سانول ہے، میں بے وفا نہیں ہوں، میں تمہیں ناپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی، جان دے دوں گی۔‘‘ اس نے جاتے ہوئے محسن شاہ کی پشت کو گھورتے ہوئے نفرت سے سوچا تھا۔

’’آ......آپ...... آپ کی ہمت بھی کیسے ہوئی ہمارے کمرے میں آنے کی۔‘‘ ابھی ابھی ملازمہ گئی تھی اس لئے اس نے لاک نہیں لگایا تھا اور وہ بنا اجازت کے اس کے کمرے میں چلا آیا تھا، وہ واش روم سے نکلی تھی، ٹاول سے منہ خشک کر رہی تھی، ٹاول پھینک کر جیسے ہی دوپٹہ اٹھانے کو جھکی تھی وہ اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا اور وہ کچھ کہہ نہ سکے صرف اس لئے سختی سے اس کے منہ پر ہاتھ جما دیا تھا اس کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ اس کی گرفت میں بری طرح مچل رہی تھی۔

’’آئی لو یو ٹو عاشی، تم نے مجھے اپنے سحر میں اس طرح جکڑ لیا ہے کہ میں بے خوف ہو گیا ہوں، بالکل تمہاری طرح جیسے تمہیں سانول کا کوئی خوف نہیں ہے میں بھی......‘‘ اس نے دروازہ ادھ کھلا رکھا تھا قدموں کی چاپ جیسے ہی سنائی دی تھی وہ کہنا شروع ہو گیا تھا، کسی دھاڑ کی آواز پر اس نے اپنی گرفت کمزور کی تھی اور وہ دونوں سانول شاہ کو دیکھ رہے تھے جبکہ سانول کی نگاہ صرف عائشہ پر تھی اور وہ دوڑ کر اس کے سینے میں سما گئی تھی۔

’’تھینک گاڈ، سانول کے آپ آ گئے، ہمیں آپ کی بہت ضرورت تھی، یہ ہمارے ساتھ......‘‘ وہ بلک رہی تھی اور سانول نے اسے جھٹکے سے خود سے دور کیا تھا۔

’’میری عدم موجودگی میں محسن یہاں کر رہا ہے؟‘‘ بازو سے جکڑے شک کی آنچ سنگ تیز لہجے میں استفسار کیا گیا تھا۔

’’سانول!‘‘

’’تو چپ رہ تجھ سے بھی پوچھنا ہے مجھے۔‘‘ ایک نفرت بھری نگاہ محسن شاہ پر ڈالی تھی۔

’’جواب دو عائشہ!‘‘

’’شاہ یہ اپنی مرضی سے کمرے میں آ گئے تھے، ہم نے جانے کو کہا تو بدتمیزی کرنے لگے۔‘‘

’’جھوٹ تو نہ بولو عائشہ، پہلے کمرے میں بلاتی ہو اور پھر۔‘‘

’’یہ...... یہ ہم پر الزام لگا رہے ہیں شاہ۔‘‘ وہ لرزتے وجود کے ساتھ کپکپاتے لہجے میں بولی تھی۔

’’الزام میں نہیں ہرجائی تم لگا رہی ہو۔‘‘

’’ہمارا یقین کریں شاہ، ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے جب سے آپ گئے ہیں یہ ہمیں یونہی تنگ کرتے رہے ہیں، اسی لئے رات فون پر ہم نے آپ سے کہا تھا کہ لوٹ آئیے، ہمیں آپ کے بغیر اچھا نہیں لگ رہا، ہمیں بہت ڈر لگتا ہے۔‘‘ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ جو ڈبل مائنڈڈ ہو رہا تھا یکدم اس کی آواز کانوں میں گونجی تھی۔

’’پلیز شاہ واپس آ جائیے، آپ کے بغیر ہم بہت اکیلے ہو گئے ہیں، ہمیں ڈر لگتا ہے، ہمیں آپ سے بہت ضروری بات بھی کرنی ہے۔‘‘

’’ہاں تو کہو نہ میں سن رہا ہوں۔‘‘

’’نہیں فون پر نہیں کہہ سکتے۔‘‘

’’بات کیا ہے کچھ پریشان لگ رہی ہو، کسی نے کچھ کہا تو نہیں ہے؟‘‘

’’ہاں، نہیں، بس آپ آ جائیے، ہم آپ کو بہت مس کر رہے ہیں۔‘‘

’’او کے، آپ فکر ہی نہ کریں، میں کل دن چار بجے آپ کے پاس ہوں گا۔‘‘ اور گھڑی اس وقت چار بج کر دس منٹ کا وقت بتا رہی تھی وہ محسن شاہ کو خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

’’ہمارا یقین کریں شاہ، ہم نے ان کو نہیں بلایا تھا۔‘‘ وہ اس کی خاموشی سے گھبرا کر بولی تھی اور اس نے محسن کا گریبان جکڑ لیا تھا۔

’’دیکھ سانول، کسی کا تو نے خون کرنا ہے تو اپنی بیوی کا کر تیری غیر موجودگی میں، یہ مجھے اکثر یہاں اکیلے بلاتی رہی ہے اور ابھی بھی میں یہاں صرف اس کے بلانے پر ہی آیا تھا۔‘‘ اس نے گریبان اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے تیزی سے جھوٹ کہا تھا۔

’’نہیں شاہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں، ہم پر الزام لگا رہے ہیں اور ہم تو یہ جانتے تھے کہ آپ آج چار بجے واپس آئیں گے تو ایسے میں ہم انہیں خود سے کیسے بلا سکتے تھے۔‘‘ وہ محسن کے ماضی سے اس کے حال سے واقف تھا اس پر یقین تو کر ہی نہیں سکتا تھا اور عائشہ کی یہ بات تو اس پر بے یقینی و بے اعتباری کی مہر لگا گئی تھی، کیونکہ اس کے آنے کا صرف عائشہ کو پتہ تھا اور اس نے آنے سے پہلے بھی فون کر دیا تھا کہ وہ آ رہا ہے تو ایسے میں وہ اسے بلانے کا اس وقت تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی وہ بیس سے پچیس منٹ مردان خانے ہی میں گزار کر بابا سائیں سے مل کر سیدھا کمرے میں ہی آیا تھا، وہ یکدم محسن شاہ پر پل پڑا تھا، لاتوں گھونسوں کی بارش کر دی تھی وہ بھی سانول کو برابر سے مار رہا تھا، جیسے ہی سانول کی گرفت کمزور ہوئی تھی وہ باہر بھاگا تھا، سانول نے دراز سے ریوالور نکالا عائشہ اس کو روکنے کو بڑھی تھی اور وہ اسے دھکا دیتا غصہ میں وہاں سے نکلا تھا، محسن شاہ کو اس نے ہال کمرے میں ہی جا لیا تھا اور اس کا نشانہ بنایا تھا، محسن شاہ نے بھی صرف کچھ لمحوں میں ریوالور نکالی تھی وہ دونوں ایک دوسرے پر ریوالور تانے کھڑے تھے سانول نے ٹریگر پر جمی انگلی کو جنبش دی تھی، ٹھاہ کی آواز کے ساتھ سب وہاں جمع ہونے لگے تھے۔

’’یہ کیا کر دیا تو نے سانول۔‘‘ سانول کی ماں بولی تھی، محسن شاہ نے زخمی ہو جانے کے باوجود اس کا نشانہ بنایا تھا، معصومہ نے دیکھ لیا تھا اور وہ یکدم سامنے آ گئی تھی، چیخیں بڑھتی جا رہی تھیں، محسن شاہ نے ہمت نہیں ہاری تھی اس نے حیران کھڑے سانول کے سینے پر گولی ماری تھی، وہ زمین بوس ہوا تھا، عائشہ لپک کر اس تک آئی تھی چیخوں کراہوں کی آواز مردان خانے تک پہنچی تھی شاہنواز شاہ خون میں لت پت بیٹے کو دیکھ کر اس پر جھکے تھے، دلنواز شاہ اپنے بیٹے کو دیکھتا تھا، اس کو مسکراتے دیکھ کر ان کی امید کی

بندھی تھی، مگر مسکراہٹ اور زندگی نے ساتھ ہی دم توڑ دیا تھا، عائشہ سانول کو بری طرح جھنجھوڑ رہی تھی مگر اس کی بھی سانسیں ختم ہو چکی تھیں اور وہ ہوش و حواس چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

تین سال پلک جھپکتے ساتھ ہی گزر گئے تھے، شاہوں کی حویلی ویران ہو گئی تھی، تین میتیں ایک ساتھ اٹھی تھیں، حویلی تو حویلی پورے گاؤں میں کہرام مچ گیا تھا، شاہنواز شاہ تو اکلوتے بیٹے کی لاش دیکھ کر ایسے خاموش ہوئے کہ تین ماہ میں ہی دنیا سے چل بسے، دلنواز شاہ کے سر پر ان کی دستار سجا دی گئی، عائشہ کو سانول شاہ کی موت سے سکتہ ہو گیا تھا، جو حویلی کی عورتوں کے برے رویے نے پاگل ہو جانے کی نہج تک پہنچا دیا، بس اپنے کمرے میں خاموش پڑی رہتی تھی، افگن شاہ نے ہر ممکن کوشش کی تھی اسے ساتھ لے جانے کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے تھے، بیٹی کے غم میں رفیعہ چل بسی تھیں اور جس کی وجہ سے یہ قیامت ٹوٹی تھی، جس کی نفرت نے یہ بھیانک قیامت دکھائی تھی وہ منوں مٹی تلے جا سوئی تھی اور اس کی ماں جو بیٹی کی حالت پر کڑھتی رہتی تھی موت پر تو پاگل ہی ہو گئی تھی، حویلی کے پچھلے حصے میں زنجیروں میں جکڑی قید تھیں، معصومہ شاہ کی نفرت اس کے انتقام نے سب کچھ ختم کر دیا تھا، عائشہ سے اس کا سانول بچھڑ گیا تھا اور وہ چلتی پھرتی زندہ لاش بن گئی تھی۔

ماہن شاہ کو خدا نے ایک بیٹی سے بھی نواز دیا تھا، وہ اپنی زندگی میں مطمئن اور خوش تھے لیکن چھوٹی بہن کا دکھ اس خوشی میں دراڑیں ڈال دیتا ہے، وہ شخص جو کسی کے سامنے نہیں جھکا تھا اس نے دلنواز شاہ کے سامنے عائشہ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے ہاتھ جوڑے تھے اور عائشہ کا وہ ٹریٹمنٹ کروا رہے تھے، ڈاکٹرز پر امید تھے وہ کچھ بہتر ہو گئی تھی کہ اسے دلنواز شاہ کی بیوی لینے آ گئی تھیں اور اس کے نصیب میں اسی طرح گھٹ گھٹ کر جینا لکھا تھا کیونکہ اس کے لئے مرنے مارنے پر تل جانے والا، اس کے حق کے لئے آواز اٹھانے والا، اس کی خاطر حویلی چھوڑ کر جانے والا سانول شاہ اس کی خاطر زندگی ہار گیا تھا، وہ سہاگن سے ابھاگن ہو گئی تھی، اس کا شام سلونا سا سانول ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے بچھڑ گیا تھا اور اسے ساری زندگی اسی کے نام پر گزارنی تھی، یہی وہاں کا اصول تھا اور یہی روایت، زمانے کے زرد رواجوں نے ایک ہنستی مسکراتی لڑکی سے اس کی خوشیاں چھین لی تھیں، وہ سیاہ رنگ کا لباس پہنے کسی آسیب کی طرح ادھر سے ادھر چکراتی پھرتی تھی اور کبھی کبھی اس کے دل سے یہ چند لفظ ایک آہ کی طرح ہی نکلتے تھے۔

”سانول بچھڑا شام سلونا، سانول بچھڑا شام سلونا۔“ اور جب بھی اسے ندی کنارے ہونے والی سانول شاہ سے پہلی ملاقات یاد آتی ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، وہ اسے جتنا یاد کرتی ہے وہ اس سے زیادہ یاد آنے لگتا ہے، اس کی کہی بات پوری ہو گئی تھی وہ رانجھا رانجھا کر دی، آپے رانجھا ہو گئی تھی، وہ گھنٹوں ایک ہی جگہ پر بیٹھی سانول، سانول کا ورد کرتی رہتی ہے، کبھی سانول بچھڑا شام سلونا کی گردان اس کے لبوں پر ہوتی ہے تو کبھی اس کا من پسند گیت آہ بن کر لبوں تک چلا آتا ہے، اس طرح کی زندگی اس نے کب تک گزارنی تھی یہ زمانے کے جابر حکمرانوں اور زرد رواجوں کی مرضی پر اب منحصر تھا؟

میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

☆☆☆